اسلام میں خواتین کے حقوق

جدید یا فرسودہ؟

ڈاکٹر ذاکر نائیک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلام میں خواتین کے حقوق
جدید یا فرسودہ؟

ڈاکٹر ذاکر نائیک

مترجم

سید امتیاز احمد

دار الاحسن
دکان نمبر 3 سلمان شیخ سینٹر
بلاک 6 گلشن اقبال، کراچی
0333-3738795

دار النوادر
الحمد مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور

۲۰۰۶ء

کتاب: اسلام میں خواتین کے حقوق

مصنف: ڈاکٹر ذاکر نائیک

مترجم: سید امتیاز احمد

اہتمام: دارالنوادر، لاہور

مطبع: موٹروے پریس، لاہور

قیمت: ۵۰ روپے

ڈسٹری بیوٹرز

ڈسٹری بیوٹرز
کتاب سرائے
پبلشرز، ڈسٹری بیوٹرز، مشیران کتب خانہ جات
فرسٹ فلور، الحمد مارکیٹ، غزنی سٹریٹ
اُردو بازار، لاہور فون: 7320316
ای میل: hikmat100@hotmail.com

فضلی بک سپر مارکیٹ
اُردو بازار، نزد ریڈیو پاکستان، کراچی۔
فون: 2212991-2629724

ترتیب

☆......☆......☆

جسٹس ایم ایم قاضی

تعارف

جناب ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب، ڈاکٹر محمد نائیک صاحب، سابق گورنر اور سفیر تلیار خان صاحب، غیر ملکی مہمانانِ گرامی اور معزز خواتین و حضرات،

السلام علیکم!

سب سے پہلے تو میں اسلامک ریسرچ فاؤنڈیشن کے ذمہ دار حضرات کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گا کہ انھوں نے مجھے اس تقریب کی صدارت کی دعوت دی۔ جیسا کہ آپ حضرات کے علم میں ہے آج ہمارا موضوع ہے؛

''اسلام میں خواتین کے حقوق''...... جدید یا فرسودہ؟

ویسے تو جدید سے مراد ہر وہ چیز لی جاتی ہے جو قدیم نہ ہو۔ لیکن آج کی تقریب کے تناظر میں دیکھا جائے تو سوال یہ بنتا ہے کہ اسلام نے عورت کو آج سے چودہ سو سال پہلے جو حقوق عطا کیے تھے کیا وہ آج بھی کافی ہیں یا نہیں۔

ویسے تو سماج میں عورت کے مقام کا موضوع صدیوں سے موضوع گفتگو ہے لیکن ماضیِ قریب میں ان مباحث نے خاصی سنجیدہ صورت اختیار کر لی ہے۔ بعض مسائل کے حوالے سے تو صورتِ حال خاصی پیچیدہ ہو چکی ہے۔

طلاق، کثرتِ ازدواج اور خواتین کی سیاسی اور سماجی سرگرمیوں میں شرکت ایسے موضوعات ہیں جن پر میڈیا میں بالعموم بحث جاری رہتی ہے۔ اگرچہ کسی حد تک حقیقی مسائل بھی ہیں لیکن بہت سے معاملات ایسے ہیں جنھیں میڈیا ضرورت سے زیادہ اچھال رہا ہے۔

یہ بات بالکل درست ہے کہ مغربی عورت بالآخر سماجی، قانونی، معاشی اور سیاسی حقوق

کے حصول میں کامیاب ہو چکی ہے۔ اگرچہ اس کے لیے اسے طویل مدت تک مسلسل اوران تھک جدو جہد کرنا پڑی۔ جس کے نتیجے میں اسے مذکورہ حقوق تو حاصل ہو گئے ہیں لیکن میں عرض کرنا چاہوں گا کہ اس دوران وہ بہت کچھ گنوا بیٹھی ہے۔

میرے دوستو! اگر آپ مغربی معاشرے کا بغور تجزیہ کریں تو آپ مجھ سے اتفاق کریں گے کہ مغربی عورت بہت کچھ کھو چکی ہے۔ وہ خاندانی نظام زندگی سے محروم ہوئی، ذہنی سکون سے محروم ہوئی اور یہاں تک کہ وہ اپنے وقار اور نسوانیت سے بھی محروم ہو گئی۔

دوسری طرف اگر آپ اسلام کا جائزہ لیں تو آپ کو علم ہو گا کہ اسلام نے آج سے چودہ سو برس پہلے ہی عورت کو بے شمار حقوق عطا کر دیے تھے۔ یہ وہ وقت تھا جب دنیا کی دیگر تہذیبیں یہ سوچ رہی تھیں کہ عورت کو انسان بھی تسلیم کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔

لہٰذا ہمیں چاہیے کہ اس مسئلے کا جامع، غیر جانبدارانہ اور غیر جذباتی انداز میں جائزہ لے کر یہ فیصلہ کریں کہ اسلام خواتین کو جو حقوق دیتا ہے وہ کافی ہیں یا ناکافی اور یہ کہ وہ حقوق جدید دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ بھی ہیں یا نہیں۔

آپ لوگوں کی خوش نصیبی ہے کہ نامور دانشور ڈاکٹر ذاکر نائیک آج اس موضوع پر گفتگو کریں گے۔ چونکہ وہ مسئلے کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لیں گے لہٰذا میرے لیے ضروری نہیں کہ میں اس حوالے سے تمام قرآنی آیات آپ کے سامنے پیش کروں یا ان تمام احادیث نبویہ ﷺ کا حوالہ دوں جو حقوق نسواں کے موضوع سے متعلق ہیں اور پیغمبرِ اسلام ﷺ سے روایت کی گئی ہیں۔

لیکن دو آیات کا قرآنی حوالہ ضرور دینا چاہوں گا۔ تاکہ یہ بات سامنے آسکے کہ اسلام نے عورت کو کس قدر باوقار اور آبرومندانہ مقام عطا کیا ہے۔ قرآنِ مجید کی سورۂ بقرہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ وَاللّٰهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ ﴾ (۲:۲۲۸)

''عورتوں کے لیے بھی معروف طریقہ پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے حقوق اُن پر ہیں۔ البتہ مردوں کو ان پر ایک درجہ حاصل ہے۔ اور سب پر اللہ غالب اختیار رکھنے والا اور حکیم و دانا موجود ہے۔''

میں چاہوں گا کہ آپ اس آیت کا ایک ایک لفظ ذہن میں رکھیں کیونکہ اس آیت میں واضح طور پر بتایا جارہا ہے کہ مردوں اور عورتوں کے ایک دوسرے پر یکساں حقوق ہیں۔ اور اس بات کی نفی قرآن میں کسی دوسرے مقام پر بھی نہیں کی گئی۔ البتہ اسی آیت میں ایک بات اور بھی کی گئی ہے اور وہ یہ کہ مردوں کو عورتوں پر ایک طرح کی فضیلت حاصل ہے۔ ان الفاظ پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے کیونکہ یہ بہت اہم الفاظ ہیں۔ اور ان الفاظ کا مطلب اخذ کرنے میں بعض اوقات غلطی بھی کی گئی ہے۔

سب سے پہلے تو یہ بات قابل ذکر ہے کہ ان الفاظ میں فریقین کے حقوق کا ذکر نہیں کیا جارہا۔ جیسا کہ ہم پہلے بھی دیکھ چکے ہیں، حقوق کے بارے میں تو اس آیت کے پہلے حصے میں ہی واضح کر دیا گیا ہے کہ دونوں کے ایک دوسرے پر حقوق ہیں۔ جہاں تک آیت کے دوسرے حصے کا تعلق ہے یعنی ''مردوں کو ایک درجہ حاصل ہونے'' کا، اس کو سمجھنے کے لیے ہمیں ایک اور آیت مبارکہ کو بھی ملحوظِ خاطر رکھنا چاہیے۔ سورۂ نساء میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ۭ ﴾ (۴:۳۴)

''مرد عورتوں پر قوام ہیں، اس بنا پر کہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے۔ اور اس بنا پر کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔''

اس آیت سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ چونکہ عورت صنفِ نازک ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے مرد کو اس کا (قوام) محافظ بنایا ہے۔ علم انسانیات کی رو سے دیکھا جائے یا حیاتیات کا نقطہ نظر سامنے رکھا جائے۔ یہ حقیقت ہے کہ مرد جسمانی طور پر عورت سے مختلف واقع ہوا

ہے۔ کیونکہ وہ کم از کم جسمانی لحاظ سے زیادہ طاقتور واقع ہوا ہے۔ اسی وجہ سے اسے زیادہ ذمہ داری دی گئی ہے۔ جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا مرد کو جو درجہ دیا گیا ہے اس کا تعلق حقوق سے نہیں فرائض سے ہے۔ لہٰذا مرد کو ملنے والا یہ درجہ نہ عورت کے حقوق میں کمی کا باعث بنتا ہے اور نہ ہی اس کی اہمیت گھٹاتا ہے۔ لہٰذا میں آپ سے گذارش کرتا ہوں کہ اس سنجیدہ مسئلے پر غور وفکر کے بعد ہی کوئی نقطہ نظر اپنائیں۔

میرے خیال میں عورت کو تحفظ فراہم کرنا ہی مرد کی سب سے اہم اور نازک ذمہ داری ہے۔ اور اس ذمہ داری کا پورا پورا احساس ہونا نہایت ضروری ہے لیکن ایسا نہیں ہو رہا۔ اس ذمہ داری کی حدود بہت وسیع ہیں۔ اگر آپ غور کریں تو آپ کو احساس ہوگا کہ مرد اپنی یہ ذمہ داری کما حقہ پوری نہیں کر رہے۔ اور اپنا بنیادی فرض، یعنی عورت کو تحفظ فراہم کرنا، ادا نہیں کر رہے۔

میں یہاں اس حوالے سے کوئی بحث نہیں چھیڑنا چاہتا کہ اس صورتِ حال کا ذمہ دار کون ہے؟ کیونکہ میرے پاس وقت محدود ہے۔ کسی حد تک اس کی ذمہ داری خواتین پر بھی ہوسکتی ہے لیکن بات وہیں رہتی ہے کہ اس صورتِ حال کے نتیجے میں خواتین کے حوالے جرائم اور استحصال کے معاملات سامنے آ رہے ہیں۔ ہمیں ہندوستانی سماجی اخلاقیات کے پس منظر میں عورت کو وہ تقدس واحترام دینا ہے جس کی وہ حق دار ہے۔ کیونکہ اس پس منظر میں کوئی عورت آزادی کے بدلے میں عزت، احترام اور تقدیس سے دست بردار ہونا نہیں چاہے گی۔ اور اسی طرح کوئی مرد بھی بطور محافظ اپنی ذمہ داریوں سے جان چھڑانا نہیں چاہے گا۔

مرد اور عورت کے تعلقات کے اس نازک پہلو کی وضاحت عظیم مفکر اور شاعر علامہ اقبال نے اپنی ایک نظم میں کچھ یوں کی ہے:

اک زندہ حقیقت مرے سینے میں ہے مستور
کیا جانے گا وہ جس کی رگوں میں ہے لہو سرد

نے پردہ نہ تعلیم، نئی ہو کہ پرانی
نسوانیت زن کا نگہباں ہے فقط مرد
جس قوم نے اس زندہ حقیقت کو نہ پایا
اس قوم کا خورشید بہت جلد ہوا زرد

جیسا کہ میں نے پہلے کہا کہ میرے پاس وقت بہت محدود ہے اور ڈاکٹر ذاکر نائیک یہاں موجود ہیں جو زیرِ نظر موضوع پر پوری تفصیل اور وضاحت کے ساتھ گفتگو کریں گے۔ البتہ میں اتنا ضرور کہوں گا کہ قرآن نے عورت کو بہت عزت مندانہ مقام عطا کیا ہے۔ اصل مسئلہ ہماری جہالت اور قرآن سے لاعلمی کا ہے اور اس مسئلے کا حل تعلیم اور آگاہی ہے۔ لوگوں میں علم اور آگاہی کا پھیلانا ہی اس مسئلے کا واحد حل ہے۔

مجھے یہاں تھامس جیفرسن کا ایک قول یاد آ رہا ہے اس نے کہا تھا:

''وہ قوم جو جاہل رہ کر آزاد رہنا چاہتی ہے، وہ ایک ایسی خواہش کر رہی ہے جو نہ کبھی پوری ہوئی ہے اور نہ کبھی پوری ہوگی۔''

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہوکر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہوکر

اب میں آپ سے ڈاکٹر ذاکر نائیک کا تعارف کروانا چاہوں گا۔ ڈاکٹر صاحب بمبئی سے ہیں۔ پیشے کے لحاظ سے وہ ایک ڈاکٹر ہیں لیکن انھوں نے اپنی زندگی تبلیغِ اسلام کے لیے وقف کر دی ہے۔ وہ اسلام کو اس کے اصل اور درست تناظر میں دنیا کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں۔

وہ اپنی تقاریر کے سلسلے میں، ملک میں اور ملک سے باہر بہت سے اسفار کر چکے ہیں۔ نوجوانی ہی میں قرآن کے حوالے سے بڑی گہری آگاہی رکھتے ہیں۔ میں یہاں ان کے والدین کو بھی خراجِ تحسین پیش کرنا چاہوں گا۔ جن کی کوششوں اور دعاؤں سے ڈاکٹر ذاکر اس مقام تک پہنچے۔

ڈاکٹر صاحب ۱۹۹۱ء میں قائم ہونے والی اسلامک ریسرچ فاؤنڈیشن کے جنرل سیکریٹری ہیں۔

شکریہ

☆......☆......☆

حصہ اوّل

اسلام میں خواتین کے حقوق

ڈاکٹر ذاکر نائیک کی گفتگو

اسلام میں خواتین کے حقوق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿ اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝ ﴾ (۳۵:۳۳)

"بالیقین جو مرد اور جو عورتیں مسلم ہیں، مومن ہیں، مطیع فرمان ہیں، راست باز ہیں، صابر ہیں، اللہ کے آگے جھکنے والے ہیں، صدقہ دینے والے ہیں، روزے رکھنے والے ہیں، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے ہیں۔ اللہ نے اُن کے لیے مغفرت اور بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے۔"

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔

میں محترم جسٹس ایم ایم قاضی صاحب، اپنے محترم بزرگوں اور عزیز بہن بھائیوں کو خوش آمدید کہتا ہوں۔

ہماری آج کی گفتگو کا موضوع ہے:

"اسلام میں خواتین کے حقوق"...... جدید یا فرسودہ؟

سب سے پہلے تو ہم اس موضوع کے بنیادی الفاظ کے معانی دیکھتے ہیں۔ اوکسفورڈ ڈکشنری کے مطابق حقوقِ نسواں (Women's Rights) سے مراد وہ حقوق ہیں" جو

عورتوں کو وہی قانونی اور سماجی مقام دلائیں جو مردوں کو حاصل ہیں۔ Modernize کا مطلب اوکسفرڈ ڈکشنری کے مطابق ہے ’’جدید بنانا، جدید مذاق وغیرہ کے مطابق ڈھالنا، دورِ حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنا۔‘‘

اور ولیبسٹر ڈکشنری کے مطابق ’’جدید بنانا یا ایک نئی شکل وصورت دینا، مثال کے طور پر نظریات کو جدید شکل دینا۔‘‘

مختصراً ہم کہہ سکتے ہیں کہ جدت ایک ایسا عمل ہے جس میں تازہ ترین معلومات کی روشنی میں موجودہ صورتِ حال میں بہتری لانے کی کوشش کی جائے گی۔ گویا موجودہ صورتِ حال بذاتِ خود ’’جدت‘‘ نہیں کہلائے گی۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہم اپنے مسائل کے حل کی خاطر اور پورے عالم انسانیت کو ایک نیا طرز زندگی دینے کے لیے جدیدیت پسندی اختیار کر سکتے ہیں؟

میں اپنی گفتگو کے دوران جدید نظریات سے غرض نہیں رکھوں گا اور نہ ہی میری گفتگو کا انحصار ماہرین اور نام نہاد مفکرین کے بیانات پر ہوگا جو کرسی پر بیٹھ کر ایسے نظریات وضع کرتے رہتے ہیں جن کی کوئی عملی افادیت نہیں ہوتی۔

یہ حضرات بالعموم آرام کرسی پر بیٹھ کر، بغیر کسی عملی تجربے کے نظریات اخذ کرتے ہیں اور ان کی روشنی میں فیصلہ کرتے ہیں کہ خواتین کو اپنی زندگی کس طرح گزارنی چاہیے۔

میں اپنے بیانات اور نتائج ایسے حقائق سے اخذ کرنا چاہوں گا جنھیں تجربے کی روشنی میں ثابت بھی کیا جاسکے۔

عملی تجربات اور صورتِ حال کے غیر متعصبانہ تجزیے سے یہ معلوم کیا جاسکتا ہے کہ نظریات کی چمک دمک کے پیچھے حقیقت کا سونا موجود ہے یا نہیں۔

ہمیں اپنے خیالات کو حقیقت کی کسوٹی پر پرکھتے رہنا چاہیے بصورتِ دیگر ہمارے خیالات ہمیں باآسانی گمراہی کی جانب بھی لے جاسکتے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کسی زمانے میں دنیا کے ذہین ترین افراد بھی یہ سمجھتے تھے کہ زمین چپٹی ہے۔

جہاں تک ''اسلام میں حقوقِ نسواں'' کا تعلق ہے، اگر ہم صورتِ حال کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح اس کی عکاسی مغربی ذرائع ابلاغ کی جانب سے کی جا رہی ہے تو لامحالہ ہمیں بھی اس بات سے اتفاق کرنا پڑے گا کہ اسلام نے جو حقوق خواتین کو دیے ہیں وہ واقعی فرسودہ اور ناکافی ہیں۔

لیکن حقیقت یہ ہے مغرب میں ''خواتین کی آزادی'، کے نام پر جو کچھ ہو رہا ہے وہ درحقیقت عورت کے احترام کی نفی اور اس کی روح اور جسم کا استحصال ہے جس پر آزادی نسواں کا خوش نما پردہ ڈال دیا جاتا ہے۔

مغربی معاشرہ مسلمانوں سے مطالبہ کرتا ہے کہ خواتین کو حقوق دیے جائیں لیکن خود اس معاشرے نے خواتین کو کیا دیا ہے؟ یہی کہ عملی طور پر اسے داشتہ اور طوائف کی سطح پر لے آیا ہے۔ اسے ایک ایسی شے بنا ڈالا ہے جس سے مرد لطف اندوز ہوتے ہیں۔ آرٹ اور کلچر کے خوبصورت پردوں کے پیچھے اس کا اس قدر استحصال کیا جاتا ہے کہ عملاً وہ جنس کے متلاشیوں اور کاروباریوں کے ہاتھوں میں کھلونا بن کر رہ گئی ہے جس کا اسے احساس بھی نہیں۔

اور اسلام نے کیا کیا؟ آج سے چودہ سو برس پہلے عہد جاہلیت میں، اسلام کی انقلابی تعلیمات نے عورت کو اس کے حقیقی حقوق اور مرتبہ عطا کیا۔

اپنے آغاز سے لے کر آج تک، اسلام کا مقصد ہمیشہ یہ رہا ہے کہ خواتین کے حوالے سے ہماری سوچ، ہمارے خیالات ہمارے احساسات اور ہمارے طرزِ زندگی میں بہتری لائی جائے اور معاشرے میں خاتون کا مقام بلند سے بلند تر کیا جائے۔

اس سے پہلے کہ میں اپنے موضوع کے حوالے سے گفتگو کو آگے بڑھاؤں چند نکات کا واضح کر دینا بہتر معلوم ہوتا ہے۔

☆ اس وقت دنیا کی آبادی کا تقریباً پانچواں حصہ مسلمانوں پر مشتمل ہے۔

☆ مسلمانوں کی یہ آبادی بہت سے معاشروں میں تقسیم ہے۔ ان معاشروں کا طرزِ زندگی یکساں نہیں ہے۔ کچھ معاشروں میں اسلامی تعلیمات پر عمل کیا جاتا ہے تو کچھ

معاشرے اسلامی تعلیمات سے دور ہیں۔

☆ ''اسلام میں خواتین کے حقوق'' کیا ہیں۔ اس بات کا فیصلہ ان مسلمان معاشروں کو دیکھ کر نہیں کیا جائے گا بلکہ شریعت اسلامی کے حقیقی مصادر سے رہنمائی لی جائے گی۔

☆ اسلامی تعلیمات کے مستند اور بنیادی مصادر قرآن اور سنت ہیں۔ قرآن جو کلام اللہ ہے اور سنت جو نبی کریم ﷺ کی احادیث سے مستنبط ہے۔

☆ قرآن میں تضاد بیانی موجود نہیں ہے۔ اور نہ ہی صحیح احادیث میں تضاد ممکن ہے۔ اسی طرح صحیح حدیث اور قرآن کی آیات میں بھی تضاد موجود نہیں۔

☆ بعض اوقات علما کے مابین کسی بات پر اختلاف ہوتا ہے۔ ایسے اختلافات بالعموم آسانی سے دور کیے جاسکتے ہیں اگر قرآن وسنت کی تعلیمات کو مجموعی طور پر سامنے رکھا جائے۔

☆ قرآن کا طریقہ یہ ہے کہ اگر ایک جگہ بات مجمل طریقہ سے بیان ہوئی ہے تو دوسری جگہ اس کی وضاحت کردی گئی ہے۔ کسی نکتے کو سمجھنے کے لیے ان تمام مقامات کا پیش نظر رکھنا ضروری ہے جہاں اس نکتے کا ذکر موجود ہے۔ بعض لوگ قرآنی تعلیمات کو مجموعی تناظر میں دیکھنے کی بجائے کسی ایک نکتے کو پیش نظر رکھتے ہیں اور غلط فہمی کا شکار ہوجاتے ہیں۔

☆ آخری نکتہ یہ کہ ہر مسلمان مرد وعورت کا فرض ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کی کوشش کرے اور دنیا میں اپنی زندگی اللہ تعالیٰ کا فرماں بردار بندہ بن کر گزارے اور اپنے نفس کو تسکین پہنچانے یا محض شہرت حاصل کرنے کے لیے کوئی عمل نہ کرے۔ یعنی ریاکاری سے دور رہے۔

اب ہم اپنے موضوع کی طرف آتے ہیں۔

اسلام مرد اور عورت کو مساوی حقوق دیتا ہے۔ لیکن یہ حقوق مساوی ہیں، یکساں نہیں ہیں۔

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں دیکھا جائے تو مرد اور عورت ایک دوسرے کے لیے

تکمیل کا ذریعہ ہیں۔ ان کے درمیان شراکت کار ہونی چاہیے، گویا اگر دونوں اپنا کردار اسلامی احکام کے مطابق ادا کریں تو نہ ان کے درمیان رقابت ہوگی اور نہ مخالفت۔

جہاں تک اسلام میں حقوقِ نسواں کا تعلق ہے میں ان حقوق کو چھ بنیادی درجات میں تقسیم کرتا ہوں۔ یہ درجات یا اقسام مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ روحانی حقوق
۲۔ معاشی حقوق
۳۔ تعلیمی حقوق
۴۔ تعلیمی حقوق
۵۔ قانونی حقوق
۶۔ سیاسی حقوق

آئندہ ابواب میں ان تمام حقوق کا اجمالی جائزہ پیش کیا جائے گا۔

☆......☆......☆

پہلا باب

اسلام میں عورت کے مذہبی اور روحانی حقوق

اسلام نے عورت کو بہت حقوق دیے ہیں۔ سب سے پہلے ہم عورت کے روحانی اور مذہبی حقوق کے حوالے سے گفتگو کریں گے۔ ہم یہ دیکھیں گے کہ دینی حیثیت سے اسلام عورت کو کیا مقام عطا کرتا ہے۔

مغربی دنیا میں اسلام کے حوالے سے جو غلط فہمیاں عام ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اسلام میں جنت کا تصور صرف مرد کے لیے ہے عورت کے لیے نہیں۔ بالفاظ دیگر وہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام میں بہشت صرف مردوں کے لیے مخصوص ہے اور عورت جنت میں نہ جا سکے گی۔ یہ ایک صریح غلط فہمی ہے جس کی تردید قرآن کی درج ذیل آیات بخوبی کر دیتی ہے۔

﴿ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ۝ ﴾ (۴:۱۲۴)

"اور جو نیک عمل کرے گا، خواہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ ہو وہ مومن تو ایسے ہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان کی ذرہ برابر حق تلفی نہ کی جائے گی۔"

اسی سے ملتی جلتی بات قرآنِ مجید کی سورۂ النحل میں بھی کی گئی ہے۔ اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾ (۱۶:۹۷)

"جو شخص بھی نیک عمل کرے گا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ ہو وہ مومن،

اسے ہم دنیا میں پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے اور (آخرت میں) ایسے لوگوں کو ان کے اجر ان کے بہترین اعمال کے مطابق بخشیں گے۔''

مندرجہ بالا آیات سے بات بخوبی واضح ہوجاتی ہے کہ اسلام میں جنت کے حصول کے لیے جنس کی کوئی شرط موجود نہیں ہے۔ اب آپ بتائیں کہ کیا اس نکتے کے حوالے سے اسلامی تعلیمات کو فرسودہ (یا غیر منصفانہ) قرار دیا جاسکتا ہے؟

اسی طرح مغربی ذرائع ابلاغ بالعموم یہ کہتے ہیں کہ مذہب عورت میں روح کا وجود ہی تسلیم نہیں کرتا۔ وہ یہ بات مطلق مذہب کے حوالے سے یوں کرتے ہیں کہ اس کا اطلاق اسلام پر بھی ہوجاتا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ عقیدہ مسیحیوں کا ہے۔

سترھویں صدی میں روم میں ہونے والی کونسل کے اجلاس میں عیسائی علما اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ عورت میں روح موجود نہیں ہوتی۔ ●

جہاں تک اسلامی تعلیمات کا تعلق ہے اس حوالے سے اسلام عورت اور مرد میں کوئی تفریق نہیں کرتا۔ اس بات کی وضاحت قرآنِ مجید میں سورۂ نساء کی پہلی آیت سے بخوبی ہوتی ہے۔

﴿ يَاأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ۝ ﴾ (۴:۱)

''لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد و عورت دنیا میں پھیلادے۔ اس خدا سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حق مانگتے ہو۔ اور رشتہ و قرابت کے تعلقات کو بگاڑنے سے پرہیز کرو۔ یقین

● اگرچہ بہ حیثیت مسلمان ہمیں یقین ہے کہ مسیحی علما کا یہ عقیدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حقیقی تعلیمات کے مطابق نہیں ہوسکتا۔ مترجم

جانو کہ اللہ تم پر نگرانی کر رہا ہے۔"

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ قرآنِ مجید کی سورۂ نحل میں فرماتا ہے:

﴿ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ﴾ (۱۶:۷۲)

"اور وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے تمہاری ہم جنس بیویاں بنائیں اور اسی نے ان بیویوں سے تمہیں بیٹے اور پوتے عطا کیے اور اچھی اچھی چیزیں تمہیں کھانے کو دیں۔"

اسی طرح سورۂ الشوریٰ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّمِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝ ﴾ (۴۲:۱۱)

"آسمانوں اور زمین کا بنانے والا جس نے تمہاری اپنی جنس سے تمہارے لیے جوڑے پیدا کیے اور اسی طرح جانوروں میں بھی جوڑے بنائے اور اس طریقہ سے وہ تمہاری نسلیں پھیلاتا ہے۔ کائنات کی کوئی چیز اس کے مشابہ نہیں وہ سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے۔"

مندرجہ بالا آیات سے یہ بات واضح طور پر سامنے آجاتی ہے کہ روحانی حوالے سے اسلام مرد اور عورت کی فطرت میں کوئی تفریق نہیں کرتا۔ آپ کیا سمجھتے ہیں، اسلام کی تعلیمات میں جدت موجود ہے یا یہ فرسودہ ہیں؟ تخلیق آدم کے حوالے سے قرآنِ مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ۝ ﴾

(۱۵:۲۹)

"جب میں اسے پورا بنا چکوں اور اس میں اپنی روح میں سے کچھ پھونک دوں

تو تم سب اس کے آگے سجدے میں گر جانا۔"

اسی طرح کی بات قرآنِ مجید کی سورۂ سجدہ میں بھی کی گئی ہے۔ یہاں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے:

﴿ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝ ﴾ (۹:۳۲)

"پھر اس کو نک سک سے درست کیا اور اس کے اندر اپنی روح پھونک دی اور تم کو کان دیے اور آنکھیں دیں اور دل دیے۔ تم لوگ کم ہی شکر گزار ہوتے ہو۔"

ان آیات میں "روح پھونکنے" کے الفاظ سے یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ اسلام "حلول" وغیرہ جیسے عقاید کی تعلیم دیتا ہے۔ یہاں بات صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس تعلق کی ہو رہی ہے جو بندے کو اپنے خالق کے قریب تر کر دیتا ہے۔

اس حوالے سے مرد اور عورت کی کوئی تفریق نہیں کی گئی۔ یہ بات آدم اور حوا علیہما السلام دونوں کے حوالے سے کی جا رہی ہے۔ دونوں اس لحاظ سے ہر طرح برابر ہیں۔

اسی طرح قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی موجود ہے کہ زمین پر اللہ تعالیٰ نے انسان کو خلافت عطا کی ہے۔ نیابت و خلافت کا یہ اعزاز انسان کو بلا تفریق جنس دیا گیا ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۝ ﴾ (۱۷:۷۰)

"یہ تو ہماری عنایت ہے کہ ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور انھیں خشکی وتری میں سواریاں دیں اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر نمایاں فوقیت بخشی۔"

آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس آیت مبارکہ میں ذکر آدم علیہ السلام کی تمام اولاد کا ہو رہا ہے وہ مرد ہو یا عورت۔

زیر بحث موضوع کا ایک اور پہلو سے بھی جائزہ لیا جاسکتا ہے۔ کچھ مذہبی صحائف میں زوال آدم یا جنت سے آدم علیہ السلام کے زمین پر آنے کا سبب عورت کو قرار دیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر انجیل مقدس میں آدم علیہ السلام کے باغ بہشت سے اخراج کا باعث عورت کو قرار دیا گیا ہے۔ لیکن اسلام کا نقطۂ نظر اس حوالے سے قطعاً مختلف ہے۔

اگر آپ قرآن کا مطالعہ کریں تو ایک درجن مقامات پر آپ کو اس واقعے کا ذکر ملے گا مثال کے طور پر سورۂ اعراف کی انیسویں آیت۔ ان تمام مقامات پر آدم وحوا علیہما السلام کا طرزِ عمل یکساں ہی بتایا گیا ہے۔ دونوں سے غلطی ہوئی، دونوں کو اپنی غلطی پر ندامت ہوئی۔ دونوں معافی کے خواستگار ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے دونوں کی توبہ قبول فرمائی۔

اس کے مقابلے میں اگر آپ بائبل کا نقطہ نظر جاننا چاہیں تو کتاب پیدائش کے تیسرے باب کا مطالعہ کریں۔ آپ دیکھیں گے کہ اس واقعے کی تمام تر ذمہ داری حوا علیہا السلام پر عاید کردی گئی ہے۔ یہی نہیں حوا علیہا السلام کی اس غلطی کو گناہ حقیقی قرار دے دیا گیا اور یہ عقیدہ وضع کرلیا گیا ہے کہ ہر انسان ہی گناہ گار پیدا ہوتا ہے۔

کتاب پیدائش کی مندرجہ ذیل آیت میں اس حوالے سے بائبل کا نقطۂ نظر مندرجہ ذیل بیان میں واضح طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔

> ''پھر اُس نے عورت سے کہا کہ میں تیرے دردِ حمل کو بہت بڑھاؤں گا، تو درد کے ساتھ بچے جنے گی اور تیری رغبت اپنے شوہر کی طرف ہوگی اور وہ تجھ پر حکومت کرے گا۔'' (پیدائش، باب ۳، آیت ۱۶)

گویا نہ صرف یہ کہ آدم علیہ السلام کے جنت سے نکلنے کا سبب عورت کو بتایا جارہا ہے بلکہ حمل اور اولاد کی پیدائش کی تکالیف کو عورت کی سزا بتایا جارہا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان بیانات سے عورت کے وقار اور مرتبے میں اضافہ تو ہوتا نہیں۔ دوسری طرف اگر اس حوالے سے قرآن کا مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اسلام ان تکالیف کو عورت کی عظمت اور وقار میں اضافے کا سبب بتاتا ہے۔ مثال کے طور پر ان آیات مبارکہ کا مطالعہ کیجیے۔

سورۂ النساء میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد و عورت دنیا میں پھیلا دیے۔ اس خدا سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حق مانگتے ہو۔ اور رشتہ و قرابت کے تعلقات کو بگاڑنے سے پرہیز کرو۔ یقین جانو کہ اللہ تم پر نگرانی کر رہا ہے۔" (۴:۱)

اسی طرح سورۂ لقمان میں آتا ہے:

"اور یہ حقیقت ہے کہ ہم نے انسان کو اپنے والدین کا حق پہچاننے کی خود تاکید کی ہے۔ اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اسے اپنے پیٹ میں رکھا اور دو سال اس کا دودھ چھوٹنے میں لگے (اسی لیے ہم نے اس کو نصیحت کی کہ) میرا شکر کر اور اپنے والدین کا شکر بجا لا، میری ہی طرف تجھے پلٹنا ہے۔" (۱۴:۳۱)

سورۂ احقاف میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا وَحَمْلُهُ وَفِصٰلُهُ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ﴾ (۱۵:۴۶)

"اور ہم نے انسان کو ہدایت کی کہ اپنے والدین کے ساتھ نیک برتاؤ کرے۔ اس کی ماں نے مشقت اٹھا کر اس کو پیٹ میں رکھا اور مشقت اٹھا کر ہی اس کو جنا اور اس کے حمل اور دودھ چھڑانے میں تیس مہینے لگ گئے۔

جیسا کہ مندرجہ بالا آیاتِ قرآنی سے واضح ہوتا ہے، اسلام ماں بننے کے عمل کی عظمت اور اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے عورت کو اس حوالے سے انتہائی اعلیٰ اور ارفع مقام عطا کرتا ہے۔ ان آیات مبارکہ کو پڑھنے کے بعد آپ کی رائے کیا بنتی ہے؟ اسلام عورتوں کو جو حقوق دیتا ہے، کیا وہ واقعی فرسودہ ہیں؟ اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں برتری کا معیار صرف اور صرف تقویٰ ہے۔ تقویٰ، پرہیزگاری اور نیکی ہی کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ کے

ہاں مقام کا تعین ہوتا ہے۔

سورۂ حجرات میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشادِ پاک ہے:

''لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنا دیں تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ یقیناً اللہ سب سے زیادہ جاننے والا اور باخبر ہے۔'' (۴۹:۱۳)

جنس، رنگ، نسل اور مال و دولت اسلام میں عزت کا معیار نہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاں معیار ایک ہی ہے اور وہ ہے ''تقویٰ''۔ محض جنس کی بنیاد پر نہ اللہ کے ہاں سزا ملے گی اور نہ جزا۔

سورۂ آل عمران میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَاۤ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ۝ ﴾ (۳:۱۹۵)

جواب میں ان کے رب نے فرمایا: ''میں تم میں سے کسی کا عمل ضائع کرنے والا نہیں ہوں، خواہ مرد ہو یا عورت، تم سب ایک دوسرے کے ہم جنس ہو۔ لہٰذا جن لوگوں نے میری خاطر اپنے وطن چھوڑے اور جو میری راہ میں اپنے گھروں سے نکالے گئے اور ستائے گئے اور میرے لیے لڑے اور مارے گئے ان کے سب قصور میں معاف کردوں گا اور انھیں ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی یہ ان کی جزا ہے اللہ کے ہاں اور بہترین جزا اللہ ہی کے پاس ہے۔''

سورۂ احزاب میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝ ﴾ (۳۳:۳۵)

''بالیقین جو مرد اور جو عورتیں مسلم ہیں، مومن ہیں، مطیع فرمان ہیں، راست باز ہیں، صابر ہیں، اللہ کے آگے جھکنے والے ہیں، صدقہ دینے والے ہیں، روزہ رکھنے والے ہیں، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے ہیں اللہ نے ان کے لیے مغفرت اور بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے۔''

اس آیت مبارکہ سے یہ حقیقت واضح ہو کر سامنے آ جاتی ہے کہ اسلام مرد اور عورت کے درمیان نہ تو اخلاقی اور روحانی ذمہ داریوں کے حوالے سے کوئی تفریق روا رکھتا ہے اور نہ ہی فرائض و واجبات کے لحاظ سے۔ نماز پڑھنا، روزہ رکھنا اور زکوٰۃ دینا جس طرح مرد پر فرض ہے، اسی طرح عورت پر بھی لازم ہے۔

البتہ عورت کو کچھ اضافی سہولتیں ضرور دی گئی ہیں۔

ایامِ مخصوصہ کے دوران عورت کو نماز کی رخصت دی گئی ہے۔ یہ نمازیں اسے معاف ہیں اسی طرح حیض و نفاس کے دوران چھوٹنے والے روزے بھی وہ بعد میں رکھ سکتی ہے۔

مندرجہ بالا گفتگو سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام عورت اور مرد پر یکساں اخلاقی ذمہ داریاں عاید کرتا ہے اور ایک ہی جیسی حدود و قیود نافذ کرتا ہے۔ سو آپ کے خیال میں اس سے کیا نتیجہ برآمد ہوتا ہے؟

اسلام کے عطا کردہ حقوقِ نسواں جدید ہیں یا فرسودہ؟

دوسرا باب

اسلام میں عورت کے معاشی حقوق

گزشتہ باب میں ہم نے عورت کے روحانی حقوق کا جائزہ لیا یعنی یہ دیکھا کہ اسلام عورت کو دینی، مذہبی اور روحانی حوالوں سے کیا مقام ومرتبہ عطا کرتا ہے۔

اب ہم زیرِ نظر موضوع یعنی ''اسلام میں حقوق نسواں'' کا جائزہ ایک اور پہلو سے لیں گے اور دیکھیں گے کہ معاشی حوالے سے عورت کو اسلام کیا حقوق عطا کرتا ہے۔

اس حوالے سے تجزیہ کیجیے تو سب سے پہلے یہ حقیقت ہمارے سامنے آتی ہے کہ اسلام نے آج سے ڈیڑھ ہزار برس پہلے عورت کو معاشی حقوق دیے۔ ان حقوق میں بہت سی چیزیں شامل ہیں۔ مثال کے طور پر ایک عاقل بالغ مسلمان عورت جائداد خرید سکتی ہے، رکھ سکتی ہے، بیچ سکتی ہے۔ خواہ وہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ۔ وہ بغیر کسی پابندی کے اپنی مرضی سے اپنے مال کے بارے میں وہ تمام فیصلے کرسکتی ہے جو ایک مرد کرسکتا ہے۔

اسلام نے عورت کو جائداد رکھنے اور اس کی خرید و فروخت کرنے کا حق آج سے ڈیڑھ ہزار برس پہلے دیا تھا جب برطانیہ میں یہی حق عورت کو ۱۸۷۰ء میں آ کر ملا۔

میں مانتا ہوں کہ چونکہ عورت کو یہ حقوق اسلام نے چودہ سو برس پہلے دے دیے تھے لہٰذا ہم انھیں عورت کے ''قدیم حقوق'' بھی کہہ سکتے ہیں لیکن کیا قدیم ہونے کی وجہ سے یہ حقوق فرسودہ ہوگئے ہیں؟ کیا یہ حقوق جدید ترین معیار پر پورے نہیں اترتے؟

جہاں تک عورت کے کام کرنے اور روزی کمانے کا تعلق ہے، اسلام اس کی بھی پوری اجازت دیتا ہے۔ قرآن و حدیث میں کہیں بھی عورت کے کام کرنے پر پابندی عاید نہیں کی گئی۔ شرط یہ ہے کہ یہ کام جائز ہو اور شرعی حدود کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے کیا جائے۔ اور

خصوصاً پردے کی رعایت کی جائے۔

لیکن قدرتی بات ہے کہ اسلام عورت کو کوئی ایسا پیشہ اختیار کرنے کی اجازت نہیں دے گا جس میں عورت کے حسن و جمال کو نمایاں کیا جائے مثال کے طور پر اداکاری اور ماڈلنگ وغیرہ۔

اسی طرح بہت سے کام ایسے ہیں جو اسلام نے مردوں کے لیے بھی حرام کر دیے ہیں ظاہر ہے ایسے کاموں کی اجازت عورت کو بھی نہیں دی جا سکتی۔ مثال کے طور پر شراب کے کاروبار سے متعلق پیشے یا قمار بازی سے تعلق رکھنے والے پیشے۔ ایسے پیشے مردوں کے لیے بھی اسی طرح ممنوع ہیں جس طرح عورتوں کے لیے۔

ایک حقیقی اسلامی معاشرے میں بہت سے پیشے ایسے ہیں جنھیں خواتین اختیار کر سکتی ہیں مثال کے طور پر طب کے شعبہ ہی دیکھیے۔ خواتین کے علاج کے لیے ہمیں ماہر خواتین ڈاکٹروں اور نرسوں کی ضرورت ہے۔ اسی طرح تعلیم کے شعبہ میں خواتین اساتذہ کا ہونا ضروری ہے۔

دوسری طرف اسلام تمام تر معاشی ذمہ واریاں مرد کو سونپتا ہے اور عورت پر کمانے کی ذمہ داری بالکل نہیں عاید کرتا۔ گویا اسے اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے کام کرنے کی ضرورت نہیں۔ البتہ اگر ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ عورت کو اپنی روزی خود کمانی پڑے تو اسلام اسے اس سے روکتا بھی نہیں۔

متذکرہ بالا شعبوں کے علاوہ بھی بہت سے کام ہیں جو عورت کر سکتی ہے۔ عورت اپنے گھر میں بھی بہت سے چھوٹے چھوٹے کام شروع کر سکتی ہے۔

جہاں تک فیکٹریوں اور دیگر اداروں میں کام کرنے کا تعلق ہے اس میں کوئی جرج نہیں بشرطیکہ ان اداروں کا انتظام اسلامی اصولوں کے مطابق چل رہا ہو۔ یعنی مردوں اور عورتوں کے شعبے بالکل الگ الگ ہوں۔ کیونکہ اسلام عورتوں اور مردوں کے اختلاط کی قطعاً اجازت نہیں دیتا۔

اسی طرح اسلام عورت کو کاروبار کی اجازت دیتا ہے لیکن جہاں نامحرموں سے اختلاط کا موقع ہو وہاں اسے کسی محرم مرد، مثال کے طور پر باپ، بھائی یا شوہر کی مدد حاصل کرنا ہوگی۔

اس سلسلے میں ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی مثال ہمارے سامنے ہے وہ اپنے دور میں مکہ کی مالدار کاروباری خواتین میں شمار ہوتی تھیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی جانب سے کاروباری ذمہ داریاں سرانجام دیتے رہے۔

ایک لحاظ سے دیکھا جائے اسلام خاندان میں عورت کو زیادہ معاشی تحفظ فراہم کرتا ہے۔ جیسا کہ میں نے پہلے بھی آپ کے سامنے وضاحت کی، اسلام بنیادی طور پر فکر معاش کی ذمہ داری خاندان کے مرد پر عائد کرتا ہے۔ عورت پر ایسی کسی ذمہ داری کا بوجھ نہیں ڈالا گیا۔

شادی سے پہلے یہ اس کے باپ یا بھائیوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کی تمام ضروریات اپنی استطاعت کی حد تک پوری کریں شادی کے بعد یہ ذمہ داری اس کے شوہر کی طرف منتقل ہو جاتی ہے کہ وہ اس کے کھانے پینے، پہننے اور رہنے سہنے کا بندوبست کرے اگر شوہر فوت ہو جائے تو یہ ذمہ داری اس بیٹے پر عاید ہو جاتی ہے۔ گویا جب تک کوئی مرد موجود ہے کمانے کی ذمہ داری اسی کی ہے۔

شادی کے موقع پر بھی دیکھا جائے تو اسلامی اصولوں کی روشنی میں عورت ہی فائدے میں رہتی ہے۔ کیونکہ نکاح کے موقع پر اسے حق مہر کی صورت میں ایک تحفہ ملتا ہے۔

قرآنِ مجید کی سورۂ نساء میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

''اور عورتوں کے مہر خوش دلی کے ساتھ (فرض جانتے ہوئے) ادا کرو البتہ اگر وہ اپنی خوشی سے مہر کا کوئی حصہ تمہیں معاف کر دیں تو اسے تم مزے سے کھا سکتے ہو۔'' (۴:۴)

مہر شریعت اسلامی کی رو سے نکاح کی ایک لازمی شرط ہے۔ اگرچہ اب ہمارے معاشرے میں مہر کی روح کو نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ جس شادی کی تقریب پر لاکھوں روپے خرچ کیے جا رہے ہوتے ہیں وہاں حق مہر چند سو روپے مقرر کر لیا جاتا ہے۔

اگرچہ یہ بات ٹھیک ہے کہ اسلام میں مہر کی رقم کے لیے کوئی کم سے کم یا زیادہ سے زیادہ مقدار معین نہیں ہے یعنی بالائی یا زیریں حد مقرر نہیں کی گئی۔ لیکن بہرحال حق مہر کا فریقین کی مالی حیثیت کے مطابق ہونا ضروری ہے۔ ایک سو اکیاون روپے یا سات سو چھیاسی روپے پر حق مہر کا کوئی تک نہیں بنتا۔

ایک المیہ یہ ہوا ہے کہ بعض مسلمان معاشروں پر دیگر ثقافتوں کے اثرات کچھ زیادہ ہی مرتب ہوئے ہیں جس کی ایک مثال برصغیر پاک و ہند کا معاشرہ ہے۔ یہاں ''مہر'' تو بہت کم مقرر کیا جاتا ہے لیکن توقع یہ رکھی جاتی ہے لڑکی اپنے ساتھ بہت سا جہیز لے کر آئے گی۔ ٹی وی اور فریج سے لے کر کار اور فلیٹ تک کی توقع کی جاتی ہے۔

لڑکے والے اپنی حیثیت کے مطابق مہر تو دیتے نہیں البتہ اپنی حیثیت کے مطابق جہیز کی توقع ضرور رکھتے ہیں۔ لڑکے کی قیمت مقرر کی جاتی ہے۔ اگر وہ گریجویٹ ہے تو ایک لاکھ اگر ڈاکٹر یا انجینئر ہے تو تین یا پانچ لاکھ۔ لیکن ان باتوں کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ اسلام میں جہیز کا مطالبہ، بالواسطہ یا بلاواسطہ، کسی بھی طرح جائز نہیں ہے۔

اگر لڑکی کے والدین اپنی خوشی سے اپنی بیٹی کو کوئی تحفہ دینا چاہیں تو اس پر کوئی پابندی نہیں ہے لیکن اس مقصد کے لیے دباؤ ڈالنا کسی صورت جائز نہیں ہے۔ اسلام ایسی حرکتوں سے سختی کے ساتھ منع کرتا ہے۔

عورت کے لیے کمانا ضروری نہیں ہے۔ لیکن اگر وہ کچھ کماتی ہے تو یہ مکمل طور پر اس کی ذاتی ملکیت ہوگی۔ اسے اپنے گھر والوں پر ایک پائی بھی خرچ کرنے کا پابند نہیں کیا گیا۔ وہ اپنی کمائی، اپنی مرضی سے جیسے چاہے خرچ کرسکتی ہے۔

اسلامی اصول یہ ہے کہ بیوی کتنی ہی مال دار کیوں نہ ہو، کھانا اور روٹی، کپڑے، مکان کا بندوبست کرنا شوہر کی ذمہ داری ہے کیونکہ معاشی ذمہ داری اسلام صرف اور صرف مرد کے کاندھوں پر ڈالتا ہے۔ اور شوہر کو اپنی یہ ذمہ داری بہرصورت ادا کرنی ہوتی ہے۔

طلاق یا علیحدگی کی صورت میں بھی ''عدت'' کے دوران بیوی کے نفقے کا ذمہ دار مرد

ہے۔ اگر بچے موجود ہیں تو ان کے اخراجات پورے کرنا بھی اسی کا فرض ہے۔

اسلام نے آج سے صدیوں پہلے ہی عورت کو وراثت کا حق دیا۔ اگر آپ قرآن کا مطالعہ کریں تو آپ دیکھیں گے کہ سورۂ بقرہ، سورۂ نسا اور سورۂ مائدہ میں واضح طور پر بتا دیا گیا ہے کہ عورت بیوی کی حیثیت سے، ماں کی حیثیت سے، بہن اور بیٹی کی حیثیت سے وراثت میں حصہ دار ہے۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کا حصہ قرآن میں مقرر فرما دیا ہے۔

میں جانتا ہوں اس حوالے سے سوالات اٹھائے جاتے ہیں اور یہ الزام عاید کیا جاتا ہے کہ خواتین کے حوالے سے اسلام کا قانونِ وراثت منصفانہ نہیں ہے۔ لیکن چونکہ ہمارے پاس وقت محدود ہے لہٰذا میں یہاں اس حوالے سے گفتگو نہیں کروں گا۔ ان شاء اللہ جب اس حوالے سے سوالات ہوں گے تو میں تفصیل اور وضاحت کے ساتھ جواب دوں گا۔

☆......☆......☆

تیسرا باب

اسلام میں عورت کے معاشرتی حقوق

اس باب میں ہم معاشرتی اور سماجی حوالوں سے عورت کو دیے گئے حقوق کا تجزیہ کریں گے۔ان حقوق کی تقسیم اس طرح بھی کی جاسکتی ہے:

ا اسلام میں عورت کے حقوق بحیثیت بیٹی

ب اسلام میں عورت کے حقوق بحیثیت بیوی

ج اسلام میں عورت کے حقوق بحیثیت ماں

د اسلام میں عورت کے حقوق بحیثیت بہن

سب سے پہلے ہم دین اسلام میں بیٹی کو دیے گئے معاشرتی حقوق کا ذکر کرتے ہیں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اسلام نے بیٹی کو جان کی حفاظت فراہم کی اور بیٹیوں کو قتل کرنے کی قبیح روایت کا خاتمہ کیا۔اسلام یہ حفاظت بیٹے اور بیٹی دونوں کے لیے فراہم کرتا ہے۔اور قتل اولاد کو حرام قرار دیتا ہے۔سورۃ التکویر میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَإِذَا الْمَوْءُدَةُ سُئِلَتْ ۝ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ ۝ ﴾ (۸۱: ۸،۹)

''اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس قصور میں ماری گئی۔''

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ﴾ (۶: ۱۵۱)

''اے نبی ﷺ! ان سے کہو کہ آؤ میں تمہیں سناؤں تمہارے رب نے تم پر کیا پابندیاں عاید کی ہیں۔ یہ کہ کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ کرو اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو اور اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو، ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی دیں گے۔''

اسی طرح حکم ہمیں سورۂ بنی اسرائیل میں بھی ملتا ہے، جہاں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ﴾ (۱۷:۳۱)

''اپنی اولاد کو افلاس کے اندیشے سے قتل نہ کرو۔ ہم انھیں بھی رزق دیں گے اور تم کو بھی۔ درحقیقت ان کا قتل ایک بڑی خطا ہے۔''

ظہورِ اسلام سے قبل، دورِ جاہلیت کے عرب معاشرے کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ اپنی بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیا کرتے تھے۔ خدا کا شکر ہے کہ اسلام نے آ کر اس مکروہ اور ظالمانہ رسم کا خاتمہ کر دیا۔ عرب تہذیب میں تو اسلام نے یہ رسم ختم کر دی لیکن ہر جگہ ایسا نہیں ہے۔

بدقسمتی سے ہمارے ملک ہندوستان میں آج بھی بیٹیوں کو قتل کرنے کا سلسلہ جاری ہے۔ عالمی نشریاتی ادارے بی بی سی نے ایک رپورٹ تیار کی ہے۔ اس پروگرام کا عنوان تھا '' اُسے مرنے دو'' (Let her Die.) بی بی سی کی ایک خاتون رپورٹر Emly Beckenen نے برطانیہ سے ہندوستان آ کر اس موضوع پر تحقیقات کیں اور یہ رپورٹ تیار کی۔ یہ پروگرام کافی عرصہ قبل سٹار ٹی وی پر بھی دکھایا گیا اور شکر ہے کہ بار بار دکھایا جا رہا ہے۔ کچھ ہی دن قبل بھی یہ پروگرام ٹیلی کاسٹ ہوا ہے۔

اس پروگرام میں جو اعداد و شمار فراہم کیے گئے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ روزانہ تقریباً تین ہزار حمل ضائع کیے جا رہے ہیں۔ والدین بچے کی جنس معلوم کرتے ہیں اور جب پتہ چلتا ہے کہ بچی پیدا ہونے والی ہے تو حمل ضائع کروا دیا جاتا ہے۔

اگر یہ اعداد و شمار درست ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہندوستان میں ہر سال تقریباً ۱۰ لاکھ بیٹیوں کو قتل کیا جا رہا ہے۔

تامل ناڈو اور راجھستان وغیرہ جیسی ریاستوں میں ایسے بورڈ اور پوسٹر نظر آ رہے ہیں جن پر لکھا ہوتا ہے؛

''پانچ سو روپے خرچ کریں اور پانچ لاکھ روپے بچائیں۔''

کیا آپ جانتے ہیں اس جملے کا کیا مطلب ہے؟ کہ پانچ سو روپے طبی معائنے پر خرچ کریں اور یہ معلوم کریں کہ بچہ پیدا ہونے والا ہے یا بچی۔ یعنی پیدائش سے قبل ہی بچے کی جنس معلوم کر لیں۔ اگر ماں کے پیٹ میں بچی پرورش پا رہی ہو تو حمل ضایع کروا دیں اور یوں بچی کی پرورش اور بعد ازاں جہیز کی صورت میں خرچ ہونے والے لاکھوں روپے بچا لیں۔

تامل ناڈو کے سرکاری ہسپتال کی رپورٹ یہ ہے کہ ہر دس میں سے پانچ بیٹیوں کو قتل کیا جا رہا ہے۔ لہٰذا شاید ہمیں اس بات پر حیرت نہیں ہونی چاہیے کہ ہندوستان میں عورتوں کی آبادی مردوں سے کم ہے۔

بچیوں کے قتل کا یہ سلسلہ نیا نہیں ہے۔ صدیوں سے یہی کچھ ہو رہا ہے۔ اگر آپ ہندوستان میں ۱۹۰۱ء میں ہونے والی مردم شماری کے اعداد و شمار کا جائزہ لیں تو آپ کو پتہ چلے گا کہ اس وقت بھی ہندوستان میں ۱۰۰۰ مردوں کے مقابلے میں ۹۷۲ عورتیں تھیں۔

اس کے بعد اگر آپ ۱۹۸۱ء کی مردم شماری کے اعداد و شمار کا تجزیہ کریں تو معلوم ہوگا کہ یہ تناسب مزید بگڑ چکا ہے۔ کیونکہ ۱۹۸۱ء میں ۱۰۰۰ مردوں کے مقابلے میں ۹۳۴ عورتیں تھیں۔

عورتوں کی آبادی کا تناسب مزید کم ہوتا جا رہا ہے۔ ۱۹۹۱ء کی مردم شماری مین یہ ۱۰۰۰ کے مقابلے میں ۹۲۷ تک جا پہنچا ہے اور سب سے زیادہ افسوس تو اس بات کا ہے کہ سائنس کی ترقی نے بجائے اس عمل کو روکنے کے اس میں مزید سہولت پیدا کر دی ہے۔

اب آپ ہی بتائیں کہ اسلام جب قتل اولاد پر پابندی لگاتا ہے قطع نظر اس کے کہ

اولاد بچہ ہے یا بچی، تو آپ کے نزدیک اسلام کا یہ طرزِ عمل جدید تر ٹھہرتا ہے یا فرسودہ؟

اسلام صرف بچی کے قتل پر ہی پابندی نہیں لگاتا۔ اسلام تو اس طرزِ عمل کی بھی سختی سے مذمت کرتا ہے کہ بچے کی پیدائش پر خوشیاں منائی جائیں اور بچی کی پیدائش کی خبر سن کر افسوس کیا جائے۔

قرآنِ مجید کی سورۂ نحل میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی پیدائش کی خوش خبری دی جاتی ہے تو اس کے چہرے پر کلونس چھا جاتی ہے اور وہ بس خون کا سا گھونٹ پی کر رہ جاتا ہے۔ لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے کہ اس بری خبر کے بعد کسی کو کیا منہ دکھائے۔ سوچتا ہے کہ ذلت کے ساتھ بیٹی کو لیے رہے یا مٹی میں دبا دے؟ دیکھو کیسے برے حکم ہیں جو یہ اللہ کے بارے میں لگاتے ہیں۔'' (۱۶:۵۹،۵۸)

مزید یہ کہ اسلام بیٹی کی تعلیم و تربیت اچھے طریقے سے کرنے کا بھی حکم دیتا ہے۔ مسند احمد کی ایک حدیث نبوی ﷺ کا مفہوم کچھ یوں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص اپنی دو بیٹیوں کی خوش اسلوبی سے پرورش کرتا ہے وہ قیامت کے دن اس طرح میرے ساتھ ہوگا۔ آپ ﷺ نے اپنی دو انگلیاں اکٹھی کر کے دکھایا۔''

ایک اور حدیث مبارکہ میں ارشاد ہے:

''جس شخص نے اپنی دو بیٹیوں کی اچھی طرح پرورش کی اور ان کا خیال رکھا اور محبت کے ساتھ انھیں پالا وہ شخص جنت میں داخل ہوگا۔''

اسلام بیٹوں اور بیٹیوں میں فرق روا رکھنے کے بھی خلاف ہے۔ ایک حدیث مبارکہ میں آتا ہے:

''ایک دفعہ نبی کریم ﷺ کے سامنے ایک شخص نے اپنے بیٹے کو پیار کیا اور اپنی گود میں بٹھا لیا، لیکن اپنی بیٹی کے ساتھ ایسا نہیں کیا۔ نبی کریم ﷺ نے

فوراً فرمایا کہ تو ظالم ہے تجھے چاہیے تھا کہ اپنی بیٹی کو بھی پیار کرتا اور اسے بھی اپنی گود میں بٹھاتا۔"

نبی کریم ﷺ صرف زبانی احکامات نہیں دیتے تھے۔ آپ کے اسوۂ حسنہ سے بھی ایسے ہی طرزِ عمل کا ثبوت ملتا ہے۔

اب ہم آتے ہیں عورت کے بحیثیت بیوی معاشرتی حقوق کی جانب!

اگر اسلام سے پہلے کے مذاہب اور تہذیبوں کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ قدیم زمانے میں عورت کو شیطان کا آلہ کار سمجھا جاتا تھا۔ یعنی یہ خیال کیا جاتا تھا کہ شیطان عورت کے ذریعے انسان کو گمراہ کرتا ہے۔

اسلام میں عورت کا تصور اس کے بالکل الٹ ہے۔ کیونکہ اسلام عورت کو "محصنہ" قرار دیتا ہے یعنی شیطان سے بچنے کا ذریعہ خیال کرتا ہے۔ جب ایک مرد کی شادی ایک اچھی اور نیک عورت سے ہوتی ہے تو وہ عورت اس کے لیے شیطانی ترغیبات سے بچنے کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ اور اسے اس راہ پر چلانے کا باعث بنتی ہے جسے قرآن نے صراطِ مستقیم قرار دیا ہے۔

اسی طرح صحیح بخاری کی روایت کردہ ایک حدیث کا مفہوم ہے:

"نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ: ہر مسلمان جو نکاح کی استطاعت رکھتا ہو ضرور نکاح کرے۔ اس طرح ان کے لیے اپنی نگاہ کی حفاظت اور پاک دامنی برقرار رکھنا آسان ہو جائے گا۔"

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ایک حدیث کا مفہوم کچھ یوں ہے:

"جس نے نکاح کر لیا اس نے اپنا آدھا دین محفوظ کر لیا۔"

یہ حدیث سن کر ایک دفعہ ایک صاحب کہنے لگے:

"کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر میں دو نکاح کر لوں تو میرا ایمان مکمل ہو جائے گا؟"

یہ صاحب بالکل غلط سمجھے تھے۔ دراصل حدیث میں کہی گئی بات سو فیصد درست ہے۔
جب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ نکاح سے آدھا دین محفوظ ہو جاتا ہے تو ان کی مراد یہ تھی کہ نکاح کر لینے سے ایک مسلمان کے لیے بدکرداری، بداخلاقی، بے راہ روی، زنا کاری اور ہم جنس پرستی جیسے جرائم سے بچنا آسان ہو جاتا ہے۔ اور دنیا کے نصف جرائم انھی اسباب کے باعث ہوتے ہیں۔

شادی کے بعد آپ پر بیوی، شوہر، ماں اور باپ کی حیثیت سے بھی ذمہ داریاں عاید ہو جاتی ہیں۔ اسلام ان ذمہ داریوں کو بھی نہایت اہم قرار دیتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ ذمہ داریاں نکاح کے بعد ہی پوری کی جا سکتی ہیں۔

بہر حال آپ ایک شادی کریں، دو کریں، تین کریں یا چار، آپ کا آدھا ایمان ہی محفوظ ہوتا ہے۔

قرآن کا ارشاد ہے کہ میاں بیوی کے دل میں ایک دوسرے کے لیے محبت رکھ دی گئی ہے۔
اگر آپ سورۂ روم کا مطالعہ کریں تو یہ ارشادِ باری تعالیٰ دیکھیں گے؛

"اور اس کی نشانیوں میں سے یہ کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری جنس سے بیویاں بنائیں تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔" (۳۰:۲۱)

سورۂ نسا کی اکیسویں آیت میں نکاح کو ایک پختہ عہد (میثاق غلیظ) قرار دیا گیا ہے۔
اسی سورۂ کی انیسویں آیت میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ۝ ﴾ (۴:۱۹)

"ان کے ساتھ بھلے طریقے سے زندگی بسر کرو۔ اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں تو ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند نہ ہو مگر اللہ نے اس میں بہت کچھ بھلائی رکھ

دی ہو۔"

نکاح کے لیے فریقین کی رضا مندی ایک لازمی شرط ہے یعنی مرد اور عورت دونوں کو اس رشتے کے لیے راضی ہونا چاہیے۔ کوئی بھی ...... خواہ وہ لڑکی کا والد ہی کیوں نہ ہو، اپنی بیٹی کی شادی زبردستی نہیں کر سکتا۔

صحیح بخاری کی ایک حدیث کے مطابق ایک عورت کا نکاح اس کے باپ نے اس کی مرضی کے خلاف کر دیا تھا۔ یہ عورت رسول اکرم ﷺ کے پاس گئی اور فریاد کی۔ آپ ﷺ نے اس نکاح کو فسخ قرار دیا۔

احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی روایت کردہ ایک حدیث کا مفہوم بھی اس سے ملتا جلتا ہے، جس کے مطابق ایک عورت بارگاہِ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئی اور شکایت کی کہ اس کے باپ نے اس کی مرضی کے خلاف اس کا نکاح کر دیا ہے۔ آپ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ وہ اگر چاہے تو اس نکاح کو برقرار رکھے اور چاہے تو فسخ کر دے۔

مندرجہ بالا احادیث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام نکاح کے لیے فریقین کی رضا مندی ضروری قرار دیتا ہے۔

اسلام میں عورت کا تصور خاندان تشکیل دینے والی شخصیت کا ہے بیوی کی حیثیت سے وہ مکان کو گھر بناتی ہے۔ مغربی دنیا میں بیوی کے لیے House wife کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ جو غلط ہے کیونکہ اس کی شادی گھر کے ساتھ نہیں ہوئی۔ لوگ اصطلاحات بناتے ہیں اور استعمال کرتے ہیں۔ یہ نہیں سوچتے کہ ان الفاظ کا مطلب کیا ہے۔ "ہاؤس وائف" کا مطلب ہے "مکان کی بیوی"۔

میں امید رکھتا ہوں کہ میری بہنیں آئندہ خود کو ہاؤس وائف (House Wife) کہلوانے کی بجائے ہوم میکر (Home maker) کہلوانا پسند کریں گی۔

اسلام میں بیوی کی حیثیت باندی کی نہیں ہوتی بلکہ اسے شوہر کے ساتھ بالکل مساوی حیثیت ملتی ہے۔

ابن حنبل رحمۃ اللہ کی روایت کردہ ایک حدیث کا مفہوم کچھ یوں ہے:

''تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جس کا سلوک اپنے گھر والوں سے اچھا ہے۔''

اسلام نے مرد اور عورت کی سماجی حیثیت میں کوئی بھی فرق نہیں رکھا سوائے ایک پہلو کے، اور وہ پہلو قیادت کا ہے۔ جسٹس قاضی صاحب نے بھی بالکل درست نشاندہی کی کہ قرآن شوہر اور بیوی کو مکمل برابری کی حیثیت دیتا ہے لیکن اس نے گھر یا خاندان کا سربراہ مرد کو بنایا ہے۔

سورۂ بقرہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِىْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ ﴾ (۲:۲۲۸)

''عورتوں کے لیے بھی معروف طریقہ پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے حقوق ان پر ہیں۔ البتہ مردوں کو ان پر ایک درجہ حاصل ہے اور سب پر اللہ غالب اقتدار رکھنے والا اور حکیم و دانا موجود ہے۔''

یہاں میں جسٹس ایم قاضی سے پورا اتفاق کرتا ہوں۔ یہ بات بالکل درست ہے کہ بیشتر مسلمان اس آیت کا مفہوم غلط اخذ کرتے ہیں۔ خصوصاً مرد کو ایک درجہ حاصل ہونے کی بات کو بالعموم غلط سمجھا گیا۔ حالانکہ، جس طرح کہ میں نے پہلے عرض کیا کسی بھی حکم کو سمجھنے کے لیے پورے قرآن میں متعلقہ بیانات کو سامنے رکھنا ضروری ہے۔

سورۂ نساء میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ ط ﴾ (۴:۳۴)

''مرد عورتوں پر قوام ہیں۔''

لوگ بالعموم ''قوام'' کا ترجمہ ''ایک درجہ برتر'' کرتے ہیں۔ یا یہ کہ مرد ایک درجہ افضل ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ قوام کا لفظ اقامہ سے نکلا ہے مثال کے طور پر نماز سے پہلے اقامت ہوتی ہے جس کا مطلب ہوتا ہے نماز کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔ گویا اقامہ کے

معنی ہوئے کھڑے ہو جانا۔ اور جہاں تک قوام کے معنی کا تعلق ہے تو اس لفظ کے معانی یہ نہیں ہیں کہ مرد کو عورت پر ایک درجہ برتری یا فضیلت حاصل ہے بلکہ یہ ہیں کہ مرد کی ذمہ داریاں ایک درجہ زیادہ ہیں۔

اگر آپ تفسیر ابن کثیر کا مطالعہ کریں تو آپ یہی لکھا پائیں گے کہ مرد کی ذمہ داری ایک درجہ زیادہ ہے نہ کہ بلحاظِ فضیلت کوئی برتری ہے۔ اور یہ ذمہ داری فریقین کو باہمی رضا مندی سے برضا و رغبت ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

سورۂ بقرہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ﴾ (۲:۱۸۷)

''وہ تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو۔''

لباس کا مقصد کیا ہوتا ہے؟ لباس کا مقصد پردہ بھی ہوتا ہے اور زینت بھی۔ اسی طرح میاں بیوی کو ایک دوسرے کے عیبوں پر پردہ ڈالنے والا اور ایک دوسرے کے لیے باعث زینت ہونا چاہیے کیونکہ یہ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔

سورۂ نساء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ﴾ (۴:۱۹)

''اور ان کے ساتھ معروف طریقے سے زندگی بسر کرو۔ اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں تو ہوسکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند نہ ہو مگر اللہ نے اسی میں بہت کچھ بھلائی رکھ دی ہو۔''

گویا حکم قرآنی کے مطابق اگر آپ کو اپنی بیوی ناپسند ہو پھر بھی آپ کو اس کے ساتھ خوش اخلاقی ہی سے پیش آنا چاہیے۔ اور برابری کی سطح پر ہی رہنا چاہیے۔

ہماری اب تک کی گفتگو سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ اسلام عورت کو بحیثیت بیوی کے کیا حقوق عطا کرتا ہے۔ اس کے بعد آپ کی کیا رائے ہے؟ یہ حقوق جدید ہیں یا فرسودہ؟

اب ہم آتے ہیں والدہ کے حقوق کی جانب۔

مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسلام میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے بعد اہمیت والدین کے احترام کی ہے۔قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''تیرے رب نے فیصلہ کردیا ہے کہ تم لوگ کسی کی عبادت نہ کرو مگر صرف اس کی۔ والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ اگر تمہارے پاس ان میں سے کوئی ایک، یا دونوں، بوڑھے ہوکر رہیں تو انھیں اف تک نہ کہو نہ انھیں جھڑک کر جواب دو بلکہ ان سے احترام کے ساتھ بات کرو اور نرمی اور رحم کے ساتھ ان کے سامنے جھک کر رہو اور دعا کیا کرو کہ ''پروردگار، ان پر رحم فرما جس طرح انھوں نے رحمت وشفقت کے ساتھ مجھے بچپن میں پالا تھا۔'' (۱۷:۲۴،۲۳)

''لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد و عورت دنیا میں پھیلا دیے۔ اس خدا سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حق مانگتے ہو اور رشتہ وقرابت کے تعلقات کو بگاڑنے سے پرہیز کرو۔ یقین جانو کہ اللہ تم پر نگرانی کررہا ہے۔'' (۴:۱)

سورۂ لقمان میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشادِ پاک ہے:

''اور یہ حقیقت ہے کہ ہم نے انسان کو اپنے والدین کا حق پہچاننے کی خود تاکید کی ہے۔ اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اسے اپنے پیٹ میں رکھا اور دو سال اس کا دودھ چھوٹنے میں لگے (اسی لیے ہم نے اس کو نصیحت کی کہ) میرا شکر کر اور اپنے والدین کا شکر بجا لا میری ہی طرف تجھے پلٹنا ہے۔'' (۳۱:۱۴)

سورۂ احقاف میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا وَحَمْلُهُ وَفِصٰلُهُ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ﴾ (۴۶:۱۵)

''اور ہم نے انسان کو ہدایت کی کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ نیک برتاؤ کرے اس کی ماں نے مشقت اٹھا کر اسے پیٹ میں رکھا اور مشقت اٹھا کر ہی اس کو جنا۔ اور اس کے حمل اور دودھ چھڑانے میں تیس مہینے لگ گئے۔''

احمد اور ابن ماجہ سے روایت ہونے والی ایک حدیث کا مفہوم ہے:

''جنت ماں کے قدموں تلے ہے۔''

اس حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ راستے پر چلتے ہوئے جو کچھ ماں کے پاؤں تلے آتا ہے وہ سب جنت میں تبدیل ہو جاتا ہے بلکہ اس کے معانی یہ ہیں کہ اگر آپ فرائض دینی ادا کرتے ہیں اور اس کے بعد ماں کی عزت کرتے ہیں، خدمت کرتے ہیں فرماں برداری کرتے ہیں تو آپ یقیناً جنت میں جائیں گے۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی ایک روایت کا مفہوم ہے:

''ایک شخص نے رسول اکرم ﷺ سے پوچھا کہ مجھ پر سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تیری ماں کا۔'' اس نے پوچھا اس کے بعد؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تیری ماں کا۔ اس شخص نے تیسری بار پوچھا؛ اس کے بعد؟ آپ ﷺ نے پھر فرمایا: ''تیری ماں کا۔'' جب اس نے چوتھی مرتبہ دریافت کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تیرے باپ کا۔''

گویا اس حدیث کی روشنی میں پچھتر فی صد عزت و احترام کی مستحق ماں ٹھہرتی ہے اور پچیس فی صد کا باپ۔

یا یوں کہیے کہ تین چوتھائی محبت ماں کے حصے میں اور ایک چوتھائی باپ کے حصے میں آتی ہے۔

مختصراً سونے کا تمغہ ماں کے حصے میں آتا ہے چاندی کا تمغہ بھی ماں کے حصے میں، کانسی کا تمغہ بھی ماں کے حصے میں آتا ہے اور حوصلہ افزائی کا انعام باپ کو ملتا ہے۔

آپ نے اسلام میں ماں کے حقوق ملاحظہ فرمائے۔ اب فیصلہ کریں کہ یہ حقوق جدید

ہیں یا فرسودہ؟

اسی طرح اسلام نے عورت کو بہن کی حیثیت سے بھی نہایت محترم قرار دیا ہے۔

قرآنِ مجید میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ط ﴾ (۹:۷۱)

''مومن مرد اور مومن عورتیں یہ سب ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔''

لفظ اولیا کے معنی یہاں رفیق اور مددگار ہیں۔ با الفاظِ دیگر مومن مرد اور مومن عورتیں آپس میں بہن بھائی ہیں، اگر ان کے درمیان کوئی اور رشتہ نہ ہو تو۔

خواتین کو اس قدر معاشرتی حقوق دیے گئے ہیں کہ ہم ان کے حوالے سے ہفتوں گفتگو کر سکتے ہیں لیکن وقت کی کمی کی وجہ سے ہم متعدد اہم موضوعات مثلاً کثرتِ ازدواج اور طلاق وغیرہ پر گفتگو نہیں کریں گے۔ کیونکہ میرا تجربہ بتاتا ہے کہ ان موضوعات کے حوالے سے سوالات ضرور کیے جائیں گے۔ ان شاء اللہ اس وقت ان کی وضاحت ہو جائے گی۔

☆......☆......☆

چوتھا باب

اسلام میں عورت کے تعلیمی حقوق

اب ہم ان حقوق کا تذکرہ کریں گے جو اسلام نے تعلیم کے حوالے سے خواتین کو عطا کیے ہیں۔ قرآنِ مجید کی جو سب سے پہلے آیات نازل ہوئیں وہ سورۂ علق کی پہلی پانچ آیات تھیں۔ ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشادِ پاک ہے:

﴿ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ۝ ﴾ (۹۶:۱،۵)

”پڑھو! (اے نبی ﷺ!) اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا۔ جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی۔ پڑھو اور تمہارا رب بڑا کریم ہے۔ جس نے قلم کے ذریعہ سے علم سکھایا۔ انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہ جانتا تھا۔“

اور یہ بات ذہن میں رکھیے کہ بات آج سے چودہ سو برس پہلے کی ہورہی ہے جب خواتین کو کسی بھی قسم کے حقوق حاصل نہیں تھے۔ ان کی حیثیت ذاتی املاک سے بڑھ کر نہ تھی۔ اسلام نے اُس وقت خواتین کی تعلیم پر زور دیا جس وقت دنیا میں تعلیم نسواں کا کوئی تصور ہی موجود نہیں تھا۔

جیسا کہ پہلے کہا گیا دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین میں ہمیں متعدد عالمہ خواتین کی مثالیں نظر آتی ہیں۔ سب سے اہم مثال تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں اور امہات المومنین میں شامل تھیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ

سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور خلفائے راشدین تک ہدایت اور رہنمائی حاصل کرتے رہے۔

آپ کے ممتاز ترین شاگرد عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ تھے۔ وہ کہتے ہیں:

''میں نے تفسیر قرآن، فرائض، حلال و حرام، ادب و شعر اور تاریخ عرب کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں دیکھا۔''

وہ نہ صرف یہ کہ علوم دینیہ کی ماہر تھیں بلکہ دیگر علوم مثلاً طب پر بھی ماہرانہ دسترس رکھتی تھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے والے وفود جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گفتگو کرتے تھے تو آپ رضی اللہ عنہا اس گفتگو سے حاصل ہونے والی معلومات کو ذہن نشین کر لیتی تھیں۔

انھیں علم ریاضی سے بھی دلچسپی تھی۔ اور متعدد مرتبہ ایسا ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ''میراث'' کے مسائل آپ سے دریافت فرمائے اور آپ رضی اللہ عنہا نے ہر وارث کا حصہ شریعت کے مطابق انھیں بتایا۔

ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ آپ کو چاروں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین کی رہنمائی کا بھی موقع ملا۔ متعدد مرتبہ آپ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی رہنمائی فرمائی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے تقریباً ۲۲۱۰ احادیث مروی ہیں۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ جو خود ایک بہت بڑے عالم ہیں، فرماتے ہیں:

''جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کسی معاملے کے بارے میں علم نہ ہوتا تو ہم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کرتے اور وہ ہماری رہنمائی کرتیں۔''

آپ رضی اللہ عنہا کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ۸۸ علما نے آپ سے تعلیم حاصل کی۔ یعنی آپ کو ''استاذ الاساتذہ'' کا مقام حاصل ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ بھی متعدد صحابیات کے علم و فضل کی شہادت ملتی ہے۔ ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو بھی علم فقہ میں مہارت حاصل تھی۔ امام نووی رحمہ اللہ کے بقول وہ اپنے وقت کی سب سے عالم خاتون تھیں۔

اسی طرح ایک اور مثال ام المؤمنین حضرت ام سلمٰی رضی اللہ عنہا کی ہے۔ ان کے بارے میں ابن حجر رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ ۳۲ علما نے آپ سے تعلیم حاصل کی۔

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ایک دن کسی مسئلے پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آپ سے سارا دن بحث ہوتی رہی، لیکن وہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو غلط ثابت نہیں کر سکے۔

امام نووی رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ فاطمہ بنت قیس ابتدائی مہاجرین میں شامل تھیں اور وسیع علم رکھتی تھیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا بھی انتہائی عالم خاتون تھیں اور دعوت میں خصوصی مہارت رکھتی تھیں۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی پوتی سعیدہ نفیسہ رحمہا اللہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے بھی آپ سے تعلیم حاصل کی۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ وہ عالم ہیں جنھوں نے فقہ اسلامی کے چار بڑے مکاتب فکر میں سے ایک کا آغاز کیا۔

اسی طرح کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً ام الدرداء رضی اللہ عنہا جو حضرت ابوالدرداء کی زوجہ تھیں، اِن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انھیں علوم عقلیہ میں کمال حاصل تھا۔ ان کے علم و فضل کی گواہی امام بخاری رحمہ اللہ جیسے عالم نے بھی دی ہے۔

مزید مثالیں بھی پیش کی جا سکتی ہیں۔ اور یہ ذکر اس دور کا ہو رہا ہے جب عورت کے ساتھ بہت برا سلوک کیا جاتا تھا۔ جب لوگ بیٹیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ دفنا دیا کرتے تھے۔ اور اسی دور میں ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں میں نہ صرف علم دین بلکہ طب اور سائنس جیسے علوم کی ماہر خواتین بھی موجود تھیں۔

اور اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ اسلام ہر عورت کو تعلیم حاصل کرنے کا حق دیتا ہے۔ اس صورتِ حال میں آپ کی رائے کیا بنتی ہے؟

اسلام کے دیے ہوئے حقوق نسواں جدید ہیں یا فرسودہ؟

پانچواں باب

اسلام میں عورت کے قانونی حقوق

اسلامی قانون کے لحاظ سے مرد اور عورت بالکل برابر ہیں۔ اسلامی شریعت مرد اور عورت کی جان اور مال کو یکساں تحفظ فراہم کرتی ہے۔ اگر کوئی مرد کسی عورت کو قتل کر دے تو اسے بھی سزائے موت ہی دی جائے گی۔ یعنی اسے بھی قصاص میں قتل کیا جائے گا جیسے کسی مرد کے قاتل کو سزائے موت ملتی ہے۔ اور اگر کوئی عورت قتل کی مرتکب ہوتی ہے تو اس کے لیے بھی وہی سزا ہے۔

سورۂ بقرہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَ الْاُنْثٰی بِالْاُنْثٰی فَمَنْ عُفِیَ لَهٗ مِنْ اَخِیْهِ شَیْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَیْهِ بِاِحْسَانٍ ذٰلِكَ تَخْفِیْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ فَمَنِ اعْتَدٰی بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۝ وَلَكُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوةٌ یّٰٓاُولِی الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۝ ﴾ (۲:۱۷۸، ۱۷۹)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تمہارے لیے قتل کے مقدموں میں قصاص کا حکم لکھ دیا گیا ہے۔ آزاد آدمی نے قتل کیا ہو تو اس آزاد ہی سے بدلہ لیا جائے، غلام قاتل ہو تو وہ غلام ہی قتل کیا جائے اور عورت اس جرم کی مرتکب ہو تو اس عورت ہی سے قصاص لیا جائے۔ ہاں، اگر کسی قاتل کے ساتھ اس کا بھائی کچھ نرمی کرنے کے لیے تیار ہو تو معروف طریقہ کے مطابق خون بہا کا تصفیہ ہونا چاہیے۔ اور قاتل کو لازم ہے کہ راستی کے ساتھ خون بہا ادا کرے۔ یہ تمہارے

رب کی طرف سے تخفیف اور رحمت ہے۔ اس پر بھی جو زیادتی کرے اس کے لیے دردناک سزا ہے۔ عقل و خرد رکھنے والو! تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے۔ اُمید ہے تم اس قانون کی خلاف ورزی سے پرہیز کرو گے۔"

اسلامی قانون میں جسمانی نقصان پہنچانے کی سزا بلا تفریق جنس ایک ہی ہے اور اس سلسلے میں مرد اور عورت میں کوئی تفریق نہیں کی جاتی۔

اسلامی قانونِ قصاص کا جائزہ لیا جائے تو یہ امر بھی سامنے آتا ہے کہ اگر کسی مقتول کی وارث عورت ہو تو اسے وہی حقوق حاصل ہیں جو کسی مرد وارث کو حاصل ہوتے ہیں۔ وہ اگر چاہے تو قصاص لے سکتی ہے چاہے تو "دیت" حاصل کر سکتی ہے۔ اس سلسلے میں مکمل آزادی حاصل ہے۔

اگر ورثا میں اختلاف ہو، کچھ ورثا دیت قبول کرنے کے حق میں ہوں اور کچھ قصاص میں قاتل کے قتل کیے جانے پر اصرار کریں تو اس صورت میں قتل کرنے سے روکا جائے گا اور دیت دلوائی جائے گی۔ لیکن یہاں بھی عورت اور مرد کی رائے کو یکساں اہمیت حاصل ہو گی اور بحیثیت وارث عورت اور مرد میں کوئی فرق نہیں کیا جائے گا۔

جہاں تک دیگر جرائم کا تعلق ہے وہاں بھی عورت اور مرد میں کوئی تفریق روا نہیں رکھی گئی۔

سورۂ مائدہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ ﴾ (۵:۳۸)

"اور چور خواہ عورت ہو یا مرد دونوں کے ہاتھ کاٹ دو یہ ان کی کمائی کا بدلہ ہے اور اللہ کی طرف سے عبرت ناک سزا۔ اللہ کی قدرت سب پر غالب ہے اور وہ دانا و بینا ہے۔

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قطع ید کی سزا مرد اور عورت دونوں کے لیے

ہے۔ جو بھی سرقے کا مرتکب ہوگا اسے سزا ملے گی اور جنس کے حوالے سے کوئی تفریق نہیں کی جائے گی۔

اسی طرح سورۂ نور میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِاْئَةَ جَلْدَةٍ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَo ﴾ (۲۴:۲)

''زانیہ عورت اور زانی مرد، دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔ اور ان پر ترس کھانے کا جذبہ اللہ کے دین کے معاملے میں تم کو دامن گیر نہ ہو اگر تم اللہ تعالیٰ اور روزِ آخر پر ایمان رکھتے ہو، اور ان کو سزا دیتے وقت اہل ایمان کا ایک گروہ موجود ہو۔''

یہاں بھی جنس کے حوالے سے کوئی تفریق نہیں کی گئی۔ کنوارہ زانی مرد ہو یا عورت اسلامی شریعت دونوں کے لیے ایک ہی سزا مقرر کرتی ہے سو کوڑے زانی مرد کو بھی لگائے جائیں گے اور زانیہ عورت کو بھی۔ اور شادی شدہ ہونے کی صورت میں رجم کیا جائے۔

اب ہم آتے ہیں قانون شہادت کی جانب۔ اسلام نے عورت کو گواہی کا حق دیا ہے اور تصور کیجیے کہ یہ حق اسلام نے عورت کو آج سے چودہ سو برس پہلے دیا تھا۔

یہودی ربی حضرات بیسویں صدی میں غور و فکر کر رہے تھے کہ عورت کو گواہی دینے کا حق ہونا چاہیے یا نہیں؟ جب کہ اسلام عورت کو یہ حق ڈیڑھ ہزار برس پہلے دے چکا تھا۔

سورۂ نور میں ہی ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمَانِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا o ﴾ (۲۴:۴)

''اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں اور پھر چار گواہ لے کر نہ آئیں، ان کو اسی کوڑے مارو اور ان کی شہادت کبھی قبول نہ کرو اور وہ خود ہی

فاسق ہیں۔"

ایک عام جرم میں دو گواہوں کی شہادت درکار ہوتی ہے جبکہ بڑے جرائم میں چار گواہوں کی گواہی لازم ہے۔ اسلام نے کسی عورت پر بہتان طرازی کے معاملے میں چار گواہوں کی شہادت لازمی قرار دی ہے۔ گویا اسلام کی نظر میں کسی عورت کی عصمت وعفت پر انگلی اٹھانا ایک بہت بڑا جرم ہے۔

آج کے جدید معاشرے میں ہم دیکھتے ہیں کہ جس کا جی چاہتا ہے شریف عورتوں پر الزام تراشی کرنے لگتا ہے۔ ان کے کردار اور اخلاق کے بارے میں جو جس کے دل میں آتا ہے کہے جاتا ہے۔ لیکن ایک اسلامی ریاست میں اگر آپ نے کسی عورت کو بدکردار کہہ دیا تو پھر آپ کو اپنا الزام ثابت کرنا ہوگا اور عدالت میں چار گواہ پیش کرنے ہوں گے، اگر آپ ایسا نہ کر پائے تو پھر نہ صرف آپ کو اسّی (۸۰) کوڑے پڑیں گے بلکہ آئندہ کے لیے کسی معاملے میں بھی آپ کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔ اگر چار گواہوں میں سے کوئی ایک گواہ بھی درست شہادت نہ دے سکا تو چاروں کو سزا دی جائے گی۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام عورت کی عزت اور وقار کو کس قدر اہمیت دیتا ہے۔ بالعموم ہوتا یہ ہے کہ شادی کے بعد عورت شوہر کا نام اپنے نام کے ساتھ لکھتی ہے لیکن اسلام نے اس معاملے میں بھی اسے آزادی دی ہے۔ وہ چاہے تو شوہر کا نام اختیار کرسکتی ہے اور چاہے تو باپ کا نام ہی استعمال کرسکتی ہے۔ بلکہ شادی سے پہلے والے نام ہی کو ترجیح دی جاتی ہے۔ آج بھی متعدد مسلمان معاشروں میں ہم دیکھتے ہیں کہ شادی کے بعد بھی عورت اپنا پہلا نام ہی برقرار رکھتی ہے۔ اور اس کا سبب اسلام میں عورت اور مرد کی مساوات اور برابری ہے۔

اس صورت حال میں آپ کیا سمجھتے ہیں؟

اسلام میں عورت کے حقوق جدید ہیں یا فرسودہ؟

☆......☆......☆

چھٹا باب

اسلام میں عورت کے سیاسی حقوق

سورۂ توبہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ ﴾

(۹:۷۱)

''مومن مرد اور مومن عورتیں، یہ سب ایک دوسرے کے رفیق ہیں، بھلائی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں۔ نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی رحمت نازل ہو کر رہے گی۔ یقیناً اللہ سب پر غالب اور حکیم و دانا ہے۔''

مرد اور عورت محض سماجی سطح پر ہی نہیں بلکہ سیاسی سطح پر بھی ایک دوسرے کے لیے مدد معاون ہیں۔ اسلام عورت کو سیاسی معاملات میں اپنی رائے کا اظہار کرنے کا حق بھی دیتا ہے۔

سورۂ ممتحنہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ﴾ (۶۰:۱۲)

''اے نبیؐ! جب تمہارے پاس مومن عورتیں بیعت کرنے کے لیے آئیں اور

اس بات کا عہد کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں گی، چوری نہ کریں گی، زنا نہ کریں گی اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گے، اپنے ہاتھ پاؤں کے آگے کوئی بہتان گھڑ کر نہ لائیں گی اور کسی امر معروف میں تمہارتی نافرمانی نہ کریں گی تو ان سے بیعت لے لو اور ان کے حق میں اللہ سے دعائے مغفرت کرو، یقیناً اللہ درگزر فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے۔''

یہاں بیعت کا لفظ استعمال ہوا ہے اور بیعت کے لفظ میں آج کل کے الیکشن کا مفہوم بھی شامل ہے۔ کیونکہ حضور اکرم ﷺ اللہ کے رسولؐ بھی تھے اور سربراہِ مملکت بھی تھے۔ اور بیعت سے مراد انہیں سربراہِ حکومت تسلیم کرنا تھا۔ اس طرح اسلام نے اسی دور میں عورت کو ووٹ دینے کا حق بھی تفویض کر دیا تھا۔

اسی طرح اسلام نے خواتین کو قانون سازی میں حصہ لینے کی اجازت بھی دی ہے، ایک مشہور روایت ہے:

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک دفعہ صحابہ کرام کے ساتھ حق مہر کے مسئلے پر گفتگو کر رہے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خواہش تھی کہ حق مہر کی بالا حد مقرر کر دی جائے کیونکہ نوجوانوں کے لیے نکاح کرنا مشکل ہوتا جا رہا تھا۔ پیچھے سے ایک بوڑھی عورت اُٹھی اور اس نے قرآن مجید کی سورۂ نساء کی بیسویں آیت پڑھی:

﴿ وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ﴾

''اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی لانے کا ارادہ کر ہی لو تو خواہ تم نے اسے ڈھیر سا مال ہی کیوں نہ دیا ہو، اس میں سے کچھ واپس نہ لینا۔''

اس کے بعد اس عورت نے کہا کہ جب قرآن یہ اجازت دیتا ہے کہ مہر میں مال کا ڈھیر بھی دیا جا سکتا ہے تو عمر رضی اللہ عنہ کون ہوتا ہے حد مقرر کرنے والا۔

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فوراً اپنی رائے سے رجوع کر لیا اور کہنے لگے کہ عمر

غلط تھا اور یہ عورت درست کہہ رہی تھی۔''

اندازہ کیجیے کہ عام عورت کو بھی اتنا حق حاصل تھا۔ وہ یقیناً ایک عام عورت تھی۔ اگر وہ کوئی مشہور خاتون ہوتی تو یقیناً اس کا نام لیا جاتا لیکن چونکہ نام نہیں لیا گیا لہٰذا پتہ چلتا ہے کہ یہ کوئی عام خاتون تھی، اور پھر بھی اسے یہ حق حاصل تھا کہ وہ خلیفۂ وقت سے اختلاف کی جرأت کر سکے اور اس پر اعتراض کر سکے۔

اگر آج کل کی تکنیکی اصطلاحات میں بات کی جائے تو ہم کہیں گے کہ اس خاتون نے ''آئین کی خلاف ورزی'' پر اعتراض کیا تھا۔ کیونکہ مسلمانوں کا آئین تو قرآن ہے۔ اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام عورت کو قانون سازی میں شرکت کا بھی حق دیتا ہے۔

مسلمان خواتین میدانِ جنگ میں بھی خدمات سرانجام دیتی رہی ہیں۔ بخاری شریف کا ایک پورا باب میدانِ جہاد میں کام کرنے والی خواتین کے بارے میں ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ خواتین میدانِ جنگ میں مجاہدین کو پانی پلاتی رہی ہیں اور زخمی مجاہدین کو طبی امداد دیتی رہیں۔

اُحد کے میدان میں جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی سعادت حاصل ہوئی ان میں ایک صحابیہ حضرت نصیبہ رضی اللہ عنہا کا اسم گرامی بھی شامل ہے۔

لیکن چونکہ اسلام نے مرد کو عورت کا محافظ قرار دیا ہے اس لیے عام حالات میں عورت کو میدانِ جنگ میں نہیں بھیجا جانا چاہیے۔ صرف مخصوص صورتِ حال اور ناگزیر صورتِ حال میں ہی عورت کو میدانِ جنگ میں خدمات سرانجام دینی چاہیے۔ عام حالات میں جہاد بالسیف مرد ہی کی ذمہ داری ہے اور یہ ذمہ داری اسی کو ادا کرنی چاہیے بصورتِ دیگر وہی کچھ ہوگا جو کچھ ہم نے امریکہ میں ہوتے ہوئے دیکھا۔

امریکہ میں خواتین کو میدانِ جنگ میں آنے کی اجازت ۱۹۰۱ء میں دی گئی لیکن انھیں اس لڑائی میں شریک ہونے کی اجازت نہ تھی۔ وہ نرس کے طور پر کام کرتی تھیں۔ بعدازاں تانیثیت کی تحریک سامنے آئی اور اس تحریک کی طرف سے یہ مطالبہ سامنے آیا کہ خواتین کو بھی

عملی طور پر میدانِ جنگ میں آنے کی اجازت دی جائے۔ ۱۹۷۳ء سے یہ مطالبہ سامنے آیا اور ۱۹۷۶ء میں حکومت امریکہ نے خواتین فوجیوں کو دورانِ جنگ با قاعدہ محاذ پر لڑنے کی اجازت دے دی۔

اس کے بعد کیا ہوا؟ ۲۳ اپریل ۱۹۹۳ء کو جاری ہونے والی ایک رپورٹ کے مطابق ایک فوجی کنونشن کے دوران ۱۹۰ افراد کو جنسی طور پر ہراساں کیا گیا جن میں سے ۸۳ خواتین تھیں۔ ۱۱۷ فوجیوں کے خلاف محکمانہ کارروائی کی گئی۔ ذرا اندازہ کیجیے کہ ایک کنونشن کے دوران ۸۳ پر جنسی حملے ہوئے ۱۱۷ افراد اجتماعی طور پر ان حملوں میں شریک تھے۔ کیا آپ جانتے ہیں ان لوگوں نے کیا کیا؟

انھوں نے خواتین کے لباس پھاڑ دیے، انہیں برہنہ پریڈ کرنے پر مجبور کر دیا گیا، ان کے ساتھ سرعام زیادتی کی گئی۔

کیا یہ "حقوقِ نسواں" ہیں؟ کیا خواتین کے حقوق اسی کا نام ہے؟ اگر ان لوگوں کے خیال میں یہی خواتین کے حقوق ہیں تو ہم ان حقوق کو دور سے ہی سلام کرتے ہیں۔ ہمیں ان کی ضرورت نہیں۔

ہم نہیں چاہتے کہ ہماری ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کو اس صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑے۔ امریکہ میں اس معاملے کے بعد احتجاج بھی ہوا۔ پارلیمنٹ میں اس حوالے سے گفتگو ہوئی اور اس وقت کے صدر امریکہ بل کلنٹن نے اس واقعے پر معافی مانگی اور اعلان کیا کہ ذمہ داروں کے خلاف ضرور کارروائی کی جائے گی۔

اور یہ تو ہم سب جانتے ہیں کہ جب سیاستدان کہتے ہیں کہ ضروری کارروائی کی جائے گی تو کیا ہوتا ہے؟

تو بات یہ ہے کہ اسلام ناگزیر صورتِ حال میں ہی خواتین کو میدانِ جنگ میں آنے کی اجازت دیتا ہے۔ لیکن وہاں بھی انھیں اسلامی اُصولوں کی پاسداری کرنی ہوگی۔ حجاب اور دیگر اسلامی اُصولوں اور اخلاقی معیار کی پابندی اور پاسداری کرنا ہوگی۔

اپنی بات سمیٹنے سے قبل میں ایک مثال پیش کرنا چاہوں گا۔ میں نے بالکل آغاز میں یہ بات واضح کی تھی کہ اسلام مرد اور عورت کی برابری پر یقین رکھتا ہے لیکن یکسانیت پر نہیں۔ برابری، یکسانیت کو نہیں کہتے۔

فرض کیجیے ایک کلاس کے دو طالب علم پہلی پوزیشن پر آجاتے ہیں۔ طالب علم "A" کے نمبر بھی ۸۰ فیصد ہیں اور طالب علم "B" کے نمبر بھی اسی فیصد ہیں۔ کل طلبا کی تعداد سیکڑوں میں ہے۔ لیکن یہ دو طالب علم "اے" اور "بی" اوّل آئے ہیں۔

اب آپ پرچۂ سوالات کا جائزہ لیتے ہیں۔ پرچے میں کل دس سوالات ہیں۔ ہر سوال کے دس نمبر ہیں۔

پہلے سوال میں طالب علم A نے دس میں سے نو نمبر لیے ہیں اور طالب علم B نے دس میں سے سات نمبر لیے ہیں لہٰذا پہلے سوال کے جواب کے معاملے میں طالب علم A بہتر ہے۔

دوسرے سوال میں طالب علم A نے دس میں سات اور طالب علم B نے دس میں سے نو نمبر لیے ہیں۔ چنانچہ دوسرے جواب میں طالب علم B، طالب علم A سے بہتر اور برتر ہے۔

تیسرے سوال میں دونوں طالب علموں نے دس میں سے آٹھ نمبر لیے ہیں لہٰذا یہاں دونوں طالب علم برابر ہیں۔

جب تمام سوالوں کے نمبر جمع کیے جائیں تو دونوں کے نمبر ۸۰ ہیں لہٰذا مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ کسی سوال میں A اور B دونوں کے نمبر برابر ہیں کسی میں A کے زیادہ ہیں اور کسی میں B کے زیادہ ہیں لیکن مجموعی طور پر دونوں طالب علموں کے نمبر برابر ہیں۔

اسی طرح کا معاملہ مرد اور عورت کا ہے۔ بعض معاملات میں مرد برتر ہے اور بعض میں عورت۔ لیکن مجموعی طور پر برابری ہے۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ نے بالعموم مرد کو زیادہ قوت جسمانی دی ہے۔ فرض کیجیے آپ کے گھر میں کوئی چور آجاتا ہے۔ کیا آپ یہ پسند

کریں گے کہ آپ کی ماں، بہن، بیوی یا بیٹی کو اس چور سے مقابلہ کرنا پڑے آپ مرد اور عورت کی برابری پر کتنا ہی یقین کیوں نہ رکھتے ہوں پھر بھی چور کا مقابلہ آپ ہی کریں گے۔ گھر کی خواتین آپ کی مدد تو کر سکتی ہیں لیکن آپ کو ہی آگے بڑھ کر اس چور کے مقابلے میں آنا ہوگا۔ کیونکہ جسمانی قوت آپ کو زیادہ دی گئی ہے لہٰذا قدرتی طور پر یہ آپ کا فرض بنتا ہے۔

اس مثال میں ہم نے دیکھا کہ جسمانی قوت کے لحاظ سے مرد کو عورت پر ایک درجہ برتری حاصل ہے۔

اب ہم ایک اور مثال پیش کرتے ہیں۔ اسلام نے والدین کی عزت اور احترام پر بہت زور دیا ہے۔ لیکن والد اور والدہ کو اس معاملے میں برابر قرار نہیں دیا گیا بلکہ ماں کے احترام پر تین گنا زیادہ زور دیا گیا ہے۔

گویا اس معاملے میں عورت کو مرد پر ایک درجہ برتری حاصل ہے اس طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عورت اور مرد برابر ضرور ہیں لیکن ہر لحاظ سے یکساں نہیں ہیں۔

ہم نے اپنی گفتگو کو انتہائی مختصر رکھنے کی کوشش کی ہے۔ وقت محدود ہونے کی وجہ سے تفاصیل پیش نہیں کی جا سکیں اور اجمالی طور پر صورتِ حال آپ کے سامنے واضح کی گئی اور اسلام میں خواتین کے حقوق کے حوالے سے نمایاں نکات کی وضاحت آپ کے سامنے پیش کی گئی۔

اب جو کچھ مسلمان معاشروں میں عملی طور پر ہوتا ہے وہ ایک مختلف معاملہ ہے۔ بہت سے مسلمان معاشروں میں خواتین کو ان کے حقوق نہیں ملتے رہے۔ کیونکہ یہ معاشرے قرآن وسنت کی تعلیمات سے دور ہٹ چکے ہیں۔

اس صورتِ حال کی ذمہ داری مغربی معاشرے پر بھی آتی ہے کیونکہ مغرب میں عورت کی صورتِ حال کو دیکھتے ہوئے ردّعمل میں بعض معاشرے عورت کے معاملے میں ضرورت سے زیادہ متعصب اور سخت ہو گئے۔ کچھ معاشروں میں مغرب کی پیروی بھی کی گئی

اور مغربی تہذیب وثقافت کو اپنایا گیا۔ظاہر ہے کہ یہ دوسری انتہا ہے۔

آخر میں مغرب کو یہ بتانا چاہوں گا کہ آپ اگر قرآن وسنت میں عورت کو عطا کیے گئے حقوق کا تجزیہ کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اسلام عورت کو جو حقوق دیتا ہے وہ فرسودہ نہیں بلکہ جدید تر تقاضوں سے ہم آہنگ ہیں۔

میں آخر میں اپنے تمام دوستوں اور مددگاروں کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گا، میں آج جو کچھ ہوں اگر اس کا سبب کسی ایک انسان کو قرار دیا جائے تو وہ ہوں گی میری والدہ مسز روشن نائک کیونکہ یہ ان کی محبت ،توجہ اور رہنمائی ہی تھی جس کی وجہ سے میں آج اس مقام پر ہوں۔

یہ ناانصافی ہوگی اگر میں اپنے والد ڈاکٹر عبدالکریم نائک کا ذکر نہ کروں اور اسی طرح میں دیگر اقارب خصوصاً میرے بھائی ڈاکٹر محمد نائک۔

میں اپنی اہلیہ کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہوں گا جو شادی کے بعد سے مسلسل میری ہمت افزائی کررہی ہیں۔

شکریہ

☆......☆......☆

حصہ دوم

اسلام میں خواتین کے حقوق

جدید یا فرسودہ؟

سوالات وجوابات

سوال نمبر: اگر مرد کو جنت میں حور ملے گی تو عورت کو جنت میں کیا ملے گا؟

جواب: میری بہن نے پوچھا ہے کہ جب مرد جنت میں داخل ہوگا تو اسے "حور" یا ایک خوبصورت عورت ملے گی۔ جب ایک عورت جنت میں داخل ہوگی تو اسے کیا ملے گا؟

قرآن میں حور کا لفظ چار مختلف مقامات پر استعمال ہوا ہے جو کہ درج ذیل ہیں:

سورۂ دخان آیت ۵۴

سورۂ طور آیت ۲۵

سورۂ رحمان آیت ۵۰ اور ۷۲

سورۂ واقعہ آیت ۲۲

بیشتر تراجم و تفاسیر خصوصاً اُردو تراجم و تفاسیر میں لفظ حور کے معنی خوبصورت عورت ہی بتائے گئے ہیں۔ اگر اس لفظ کے معنی واقعی صرف ایک خوبصورت عورت ہی ہیں تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عورت کو جنت میں کیا عطا ہوگا؟

لیکن دراصل معاملہ یہ ہے کہ اس لفظ کے معنی صرف خوبصورت عورت نہیں ہیں۔ یہ لفظ حور اصل میں جمع ہے جس کا واحد اَحْوَرَ بھی ہے اور حَوْرَ بھی۔ ان میں سے ایک لفظ مذکر ہے اور ایک مؤنث جب کہ جمع دونوں کی حور ہی ہے۔

لفظ کا لغوی مطلب ہے "بڑی خوبصورت آنکھیں"۔ اسی مقصد کے لیے قرآن میں مختلف مقامات پر ازواج کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے۔ مثال کے طور پر:

سورۂ بقرہ، آیت ۲۵

سورۂ نساء، آیت ۵۷

ازواج کا لفظ زوج کی جمع ہے اور زوج کا مطلب ہے ساتھی، شریک زندگی مرد کے لیے عورت زوج ہے اور عورت کے لیے مرد زوج ہے۔ قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ کرنے والوں نے بالعموم اس لفظ کا ترجمہ درست کیا ہے۔ مثال کے طور پر محمد اسد حور کا ترجمہ

Spouse کرتے ہیں۔ عبداللہ یوسف علیؒ نے لفظ حور کا ترجمہ Companion کیا ہے۔ یہ دونوں لفظ ایسے ہیں جن کی کوئی جنس مخصوص نہیں ہے یہ لفظ مذکر کے لیے بھی استعمال ہو سکتا ہے اور مؤنث کے لیے بھی۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ مرد کو جنت میں ایک بڑی بڑی آنکھوں والی خوبصورت شریک زندگی ملے گی اور عورت کو بھی بڑی بڑی خوبصورت آنکھوں والا ساتھی ملے گا۔

سوال نمبر: میں یہ پوچھنا چاہوں گا کہ عورت کی گواہی مرد سے آدھی کیوں ہے یعنی دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر کیوں قرار دی جاتی ہے؟

جواب: میرے بھائی نے ایک بہت اہم سوال پوچھا ہے کہ دو خواتین کی گواہی اسلام میں ایک مرد کی گواہی کے برابر کیوں ہے؟

پہلی بات تو یہ ہے کہ ہر جگہ اور ہر معاملے میں دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر نہیں قرار دی جاتی۔ ایسا صرف چند مخصوص صورتوں میں ہی ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں کم از کم پانچ مقامات ایسے ہیں جہاں گواہی کا ذکر موجود ہے بغیر کسی قسم کی جنسی تفریق کے۔

بعض مقامات ایسے ہیں جہاں دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر قرار دی گئی ہے۔

سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۲۸۲ میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّ امْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰهُمَا الْاُخْرٰى ﴾ (۲:۲۸۲)

''اور اپنے میں سے دو مردوں کو (ایسے معاملے میں) گواہ کر لیا کرو اور اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جن کو تم گواہ پسند کرو (کافی ہیں) کہ اگر ان میں سے ایک بھول جائے گی تو دوسری اسے یاد دلا دے گی۔''

سورۂ بقرہ کی اس آیت میں ذکر صرف مالی معاملات کا ہو رہا ہے۔ صرف مالی اور

معاشی نوعیت کے معاملے میں ایک مرد کی گواہی دو عورتوں کے برابر دی جا رہی ہے۔ بلکہ کہا یہ جا رہا ہے کہ مالی معاملات میں دو مردوں کی گواہی بہتر ہے اور اگر دو مرد گواہی دینے والے نہ ہوں تو پھر ایک مرد اور دو عورتیں گواہ بنیں۔

اس معاملے کو سمجھنے کے لیے میں ایک مثال پیش کرتا ہوں۔ فرض کریں آپ کوئی سرجری کروانا چاہتے ہیں یا کوئی آپریشن کروانا چاہتا ہیں۔ اب ظاہر ہے آپ کی خواہش ہو گی کہ سرجری سے قبل کم از کم دو ماہر ڈاکٹروں کے ساتھ مشورہ کریں۔ اب فرض کیجیے آپ کو صرف ایک ماہر سرجن دستیاب ہے۔ اس صورت میں آپ ایک سرجن کی رائے کے ساتھ دو عام ایم بی بی ایس ڈاکٹروں کی رائے بھی جاننا چاہیں گے۔ اس کا سبب یہی ہو گا کہ آپریشن کے بارے میں ایک عام ایم بی بی ایس ڈاکٹر کے مقابلے میں ایک سرجن کا علم زیادہ ہوتا ہے۔

ایسا ہی معاملہ گواہی کا ہے۔ چونکہ اسلام نے فکر معاش کا ذمہ دار مرد کو بنایا ہے لہٰذا ظاہر ہے کہ ایک اسلامی معاشرے میں معاشی معاملات کے بارے میں مرد کو علم زیادہ ہو گا اور یہی وجہ ہے کہ معاشی معاملات میں دو مردوں کی گواہی کو ترجیح دی گئی ہے اور اگر آپ سورۂ مائدہ کی تلاوت کریں تو وہاں یہ ارشاد باری تعالیٰ موجود ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ ﴾ (۵:۱۰۶)

''مومنو! جب تم میں سے کسی کی موت آ موجود ہو تو شہادت (کا نصاب) یہ ہے کہ وصیت کے وقت تم مسلمانوں میں سے دو مرد عادل (یعنی صاحب اعتبار) گواہ ہوں یا اگر (مسلمان گواہ نہ ملیں اور) تم سفر کر رہے ہو اور (اس وقت) تم پر موت کی مصیبت واقع ہو تو کسی دوسرے مذہب کے دو (شخصوں کو) گواہ (کر لو)۔''

یہاں بھی چونکہ معاملہ معاشی نوعیت کا ہے لہٰذا مرد کی گواہی کو ترجیح دی گئی ہے۔ بعض علمائے قانون کی رائے یہ ہے کہ "قتل" کے معاملے میں بھی جرم کی مخصوص نوعیت کے پیش نظر اور عورت کی فطرت کے تقاضوں کو دیکھتے ہوئے یہی اُصول لاگو ہونا چاہیے۔ یعنی دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے مساوی قرار دی جانی چاہیے۔

صرف دو معاملات ایسے ہیں جہاں دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر قرار دی گئی ہے یعنی: (۱) مالی معاملات (۲) قتل کا معاملہ

کچھ لوگوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ ہر جگہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہوگی لیکن اگر قرآنی ہدایات کو مجموعی طور پر پیش نظر رکھا جائے تو یہ بات درست ثابت نہیں ہوتی۔

آیئے دیکھتے ہیں قرآن ہمیں اس بارے میں کیا احکامات دیتا ہے۔

سورۂ نور میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَاءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الصَّادِقِيْنَ ٥ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكَاذِبِيْنَ ٥ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكَاذِبِيْنَ ٥ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَا اِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِيْنَ ٥ ﴾ (۲۴:۶-۹)

"اور جو لوگ اپنی عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگائیں اور خود ان کے سوا ان کے گواہ نہ ہوں تو ہر ایک کی شہادت یہ ہے کہ پہلے تو چار بار اللہ کی قسم کھائے کہ بے شک سچا ہے۔ اور پانچویں (بار) یہ (کہے) کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر اللہ کی لعنت۔ اور عورت سے سزا کو یہ بات ٹال سکتی ہے کہ وہ پہلے چار بار اللہ کی قسم کھائے کہ بے شک یہ جھوٹا ہے۔ اور پانچویں (دفعہ) یوں (کہے) کہ اگر یہ سچا ہے تو تو مجھ پر اللہ کا غضب (نازل ہو)۔"

مندرجہ بالا آیت سے یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ بیوی شوہر پر الزام

لگائے یا شوہر بیوی پر۔ دونوں کی ذاتی گواہی اس معاملے میں مساوی ہے۔

اسی طرح رویت ہلال کے معاملے میں بھی عورت اور مرد کی گواہی میں کوئی فرق نہیں کیا جاتا۔ بعض فقہا کا کہنا ہے کہ رمضان کے چاند کی رویت کے لیے ایک اور شوال کے چاند کے لیے دو گواہ درکار ہوں گے لیکن گواہ کے مرد یا عورت ہونے سے وہاں بھی فرق کوئی نہیں پڑتا۔

کچھ معاملات میں صرف عورت ہی گواہی دے سکتی ہے۔ مثال کے طور پر اگر معاملہ غسل میت کا ہو، کیونکہ جب تک کوئی عورت دستیاب ہو عورت کو غسل میت عورت ہی دے گی۔ یعنی اس معاملے میں گواہی کی ضرورت پڑے تو عورت کو ترجیح دی جاتی ہے۔

میں اُمید رکھتا ہوں کہ معاملہ آپ کے ذہنوں میں واضح ہو چکا ہوگا۔

سوال نمبر: میں پوچھنا چاہتی ہوں کہ اسلام میں کثرت ازدواج کی اجازت کیوں دی گئی ہے؟ یعنی مرد کو ایک سے زاید شادیوں کی اجازت کیوں ہے؟

جواب: میری بہن نے پوچھا ہے کہ اسلام میں کثرت ازدواج کی اجازت کیوں دی گئی ہے یا دوسرے لفظوں میں مرد ایک سے زیادہ بیویاں کیوں رکھ سکتا ہے؟ بہن نے جو لفظ استعمال کیا ہے وہ ہے Polygamy۔ پولی گیمی کا مطلب ہے ایک سے زیادہ شادیاں کرنا۔ اس کی دو اقسام ہیں۔ ایک لفظ ہے Polygamy جو ایک مرد کے ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اور دوسرا لفظ ہے Polyendry جو عورت کے ایک سے زاید شوہر رکھنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ گویا دو طرح کی کثرت ازدواج ممکن ہے جن میں ایک کے بارے میں بہن نے سوال پوچھا ہے۔ یعنی یہ کہ مرد ایک سے زیادہ شادیاں کیوں کر سکتا ہے؟

میں سب سے پہلے تو یہ کہنا چاہوں گا کہ قرآن دنیا کی واحد الہامی کتاب ہے جو ایک ہی شادی کی ترغیب دیتی ہے اور کوئی ایسی مقدس کتاب موجود نہیں ہے جو ایک شادی کا حکم

دیتی ہو۔

آپ پوری ''گیتا'' پڑھ جائیں، پوری ''رامائن'' پڑھ لیں، پوری ''مہابھارت'' پڑھ لیں۔ کہیں آپ کو یہ لکھا نہیں ملے گا کہ ایک شادی کرو حتی کہ بائبل میں بھی آپ ایک شادی کا حکم تلاش نہیں کر سکیں گے۔

بلکہ اگر آپ ہندوؤں کے متون مقدسہ کا مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ بیشتر راجوں، مہاراجوں کی ایک سے زیادہ بیویاں تھیں۔ ''دشرتھ'' کی ایک سے زیادہ بیویاں تھیں، کرشنا کی بھی بہت سی بیویاں تھیں۔

اگر آپ یہودی قانون کا مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ یہودیت میں گیارھویں صدی عیسوی تک مرد کو کثرت ازدواج کی اجازت حاصل رہی ہے۔ یہاں تک ربی گرشم بن یہوواہ نے اس پر پابندی عاید کر دی۔ اس کے باوجود عرب علاقوں میں آباد یہودی ۱۹۵۰ء تک ایک سے زیادہ شادیاں کرتے رہے لیکن ۱۹۵۰ء میں اسرائیل کے علما نے کثرت ازدواج پر مکمل پابندی لگا دی۔

اسی طرح عیسائی انجیل بھی کثرت ازدواج کی اجازت دیتی ہے۔ یہ تو چند صدیاں پہلے عیسائی علما نے ایک سے زاید شادیوں پر پابندی لگائی ہے۔

اگر آپ ہندوستانی قانون کا جائزہ لیں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ پہلی دفعہ ۱۹۵۴ء میں کثرت ازدواج پر پابندی لگائی گئی اس سے قبل ہندوستان میں قانونی طور پر بھی مرد کو ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کی اجازت تھی۔

۱۹۵۴ء میں ہندو میرج ایکٹ نفاذ ہوا جس میں ہندوؤں کے ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے پر پابندی عاید کر دی گئی۔

اگر آپ اعداد و شمار کا تجزیہ کریں تو صورتِ حال آپ کے سامنے واضح ہو جائے گی۔ یہ اعداد و شمار ''اسلام میں عورت کا مقام'' کے عنوان سے تحقیق کرنے والی کمیٹی کی رپورٹ میں شامل ہیں۔ ۱۹۷۵ء میں شایع ہونے والی رپورٹ کے صفحہ ۶۶ اور صفحہ ۶۷ پر ایک سے زاید

شادیوں کے حوالے سے اعداد وشمار دیے گئے ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ ہندوؤں میں ایک سے زاید شادیوں کی شرح ۵۶ء۵ فی صد تھی جبکہ مسلمانوں میں یہ شرح ۴۳۱ء۴ فی صد تھی۔

لیکن چھوڑیے اعداد وشمار کو۔ ہم اصل موضوع کی طرف آتے ہیں کہ آخر اسلام میں مرد کو ایک سے زاید شادیوں کی اجازت کیوں دی گئی ہے؟ جیسا کہ ہم نے پہلے عرض کیا اس وقت قرآن ہی دنیا میں وہ واحد مذہبی کتاب ہے جو ایک شادی کا حکم دیتی ہے۔

سورۂ نساء میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَلَّا تَعُوْلُوْا ۝ ﴾ (۴:۳)

''اور اگر تم کو اس بات کا خوف ہو کہ یتیموں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو جو عورتیں تم کو پسند ہوں دو دو، یا تین تین، یا چار چار ان سے نکاح کر لو اور اگر اس بات کا اندیشہ ہو کہ (سب عورتوں سے) یکساں سلوک نہ کر سکو گے تو ایک عورت (ہی کافی ہے) یا لونڈی جس کے تم مالک ہو۔ اس سے تم بے انصافی سے بچ جاؤ گے۔''

یہ حکم کہ پھر ایک ہی شادی کرو، قرآن کے علاوہ کسی صحیفۂ مقدسہ میں نہیں دیا گیا۔

عربوں میں اسلام سے قبل مرد بہت سی شادیاں کیا کرتے تھے۔ بعض مردوں کی تو سیکڑوں بیویاں تھیں۔

اسلام نے ایک تو بیویوں کی حد مقرر کر دی اور زیادہ سے زیادہ تعداد چار معین کر دی اور ایک سے زاید شادیوں کی صورت میں ایک بہت سخت شرط بھی عاید کر دی وہ یہ کہ اگر آپ ایک سے زاید شادیاں کرتے ہیں تو پھر آپ کو اپنی دونوں، تینوں یا چاروں بیویوں کے درمیان پورا عدل کرنا ہوگا بصورتِ دیگر ایک ہی شادی کی اجازت ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ سورۂ نساء میں فرماتا ہے:

﴿ وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَ لَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ وَ اِنْ تُصْلِحُوْا وَ تَتَّقُوْافَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ٥ ﴾ (۴:۱۲۹)

''اور تم خواہ کتنا ہی چاہو عورتوں میں ہرگز برابری نہیں کرسکو گے تو ایسا بھی نہ کرنا کہ ایک ہی کی طرف ڈھل جاؤ اور دوسری کو (ایسی حالت میں) چھوڑ دو کہ گویا لٹک رہی ہے اور اگر آپس میں موافقت کرلو اور پرہیز گاری کرو تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

گویا ایک سے زیادہ شادیاں کوئی اُصول نہیں ہے بلکہ ایک استثنائی صورت حال ہے۔ بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ اسلام ایک سے زیادہ شادیوں کا حکم دیتا ہے۔

لیکن صورتِ حال یہ ہے کہ اسلام میں اعمال کے پانچ درجے یا اقسام ہیں:

پہلا درجہ ''فرض'' ہے۔ یعنی وہ کام جن کا کرنا ضروری اور لازمی ہے۔

دوسرا درجہ مستحب اُمور کا ہے ان کاموں کا جنہیں فرض تو نہیں کیا گیا لیکن ان کے کرنے کی تاکید یا حوصلہ افزائی کی گئی ہے۔

تیسرے درجے میں وہ کام آتے ہیں جن کی نہ حوصلہ افزائی کی گئی اور نہ روکا گیا ہے۔

چوتھے درجہ میں مکروہ اُمور آتے ہیں اور

پانچواں درجہ حرام کاموں کا ہے یعنی جن سے قطعی طور پر منع کردیا گیا ہے۔

ایک سے زیادہ شادیوں کا معاملہ تیسرے یا درمیان والے درجے میں آتا ہے۔ یعنی وہ کام جن کے کرنے کی نہ تو قرآن وسنت میں تاکید کی گئی ہے اور نہ ہی منع کیا گیا ہے۔

پورے قرآن میں اور اسی طرح احادیث میں بھی، ہمیں کوئی ایسا بیان نہیں ملتا جس میں کہا گیا ہو کہ جو مسلمان ایک سے زیادہ شادیاں کرتا ہے وہ اس مسلمان سے بہتر ہے جو ایک ہی شادی کرتا ہے۔

آیئے تجزیہ کرتے ہیں کہ اسلام مرد کو ایک سے زاید شادیوں کی اجازت کیوں دیتا

ہے؟

قدرتی طور پر مرد اور عورتیں تقریباً مساوی تعداد میں پیدا ہوتے ہیں لیکن جدید علم طب ہمیں بتاتا ہے کہ بچیوں میں قوت مدافعت بچوں کی بہ نسبت زیادہ ہوتی ہے۔ ایک بچی جراثیم اور بیماریوں کا مقابلہ بہتر طریقے سے کرسکتی ہے بہ نسبت ایک بچے کے۔ صحت کے لحاظ سے عورت مرد کے مقابلے میں بہتر صنف ہے۔ لہٰذا ہوتا یہ ہے کہ شیر خوارگی کی سطح پر ہی بچیوں کی تعداد بچوں سے کچھ زیادہ ہو جاتی ہے۔

دنیا میں جنگیں ہوتی رہتی ہیں اور ہم سب جانتے ہیں کہ دورانِ جنگ مردوں کی اموات عورتوں کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ ہوتی ہیں۔ حالیہ دور میں ہم نے دیکھا کہ افغانستان میں ایک طویل جنگ ہوئی۔ اس جنگ کے دوران تقریباً پندرہ لاکھ افراد لقمۂ اجل بن گئے۔ ان مرنے والوں میں غالب اکثریت مردوں کی تھی۔ شہداء کی کثیر تعداد مردوں پر ہی مشتمل تھی۔

اس طرح اگر آپ حادثات کے اعداد و شمار کا تجزیہ کریں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ حادثات میں جاں بحق ہونے والوں کی اکثریت بھی مردوں پر ہی مشتمل ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ منشیات کے استعمال سے ہونے والی اموات میں بھی غالب اکثریت مردوں ہی کی ہوتی ہے۔

مندرجہ بالا تمام عوامل و اسباب کے نتیجے میں دنیا میں مردوں کی آبادی عورتوں کے مقابلے میں کم ہے۔ ایشیا اور افریقہ کے چند ایک ممالک کے علاوہ پوری دنیا میں ہی عورتوں کی آبادی مردوں سے زیادہ ہے۔ جن ممالک میں عورتوں کی آبادی کم ہے ان میں سے ایک اہم ملک ہندوستان ہے۔ اور ہندوستان میں عورتوں کی آبادی مردوں کے مقابلے میں کم ہونے کا بنیادی سبب ہم آپ کو پہلے ہی بتا چکے ہیں۔ یہاں ہر سال دس لاکھ سے زیادہ اسقاط حمل کیے جاتے ہیں اور یہ معلوم ہوتے ہی کہ پیدا ہونے والی بچی ہوگی اسقاط کروا دیا جاتا ہے۔ اور اس طرح بچیوں کو قتل کیے جانے کی وجہ سے ہی مردوں کی آبادی زیادہ ہے۔

اگر آج یہ کام بند ہو جائے تو چند ہی دہائیوں میں آپ دیکھیں گے کہ ہندوستان میں بھی عورتوں کی تعداد مردوں سے بڑھ جائے گی۔ جیسا کہ باقی ساری دنیا میں ہے۔

اس وقت صرف امریکہ کے شہر نیو یارک میں عورتوں کی تعداد مردوں سے ایک لاکھ زیادہ ہے۔ پورے امریکہ میں صورتِ حال یہ ہے کہ مردوں کے مقابلے میں ۷۸ لاکھ خواتین زیادہ ہیں۔ مزید برآں کہا جاتا ہے کہ نیو یارک میں ایک تہائی مرد ہم جنس پرست ہیں۔ پورے امریکہ میں ہم جنس پرست مردوں کی تعداد ڈھائی کروڑ سے زیادہ ہے۔

برطانیہ کا معاملہ بھی مختلف نہیں۔ وہاں بھی مردوں کے مقابلے میں چالیس لاکھ عورتیں زیادہ ہیں۔ جرمنی میں یہ فرق اس سے بھی زیادہ ہے۔ وہاں مردوں کے مقابلے میں پچاس لاکھ عورتیں زیادہ موجود ہیں۔ روس میں عورتوں کی تعداد مردوں کے مقابلے میں ستر لاکھ زیادہ ہے۔

اسی طرح اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ پوری دنیا میں مردوں کی تعداد عورتوں کے مقابلے میں کس قدر کم ہے۔ فرض کیجیے میری بہن امریکہ میں رہتی ہے اور تعداد کے اس فرق کی وجہ سے وہ ان خواتین میں شامل ہے جنہیں شادی کے لیے شوہر نہیں مل سکتا۔ کیونکہ تمام مرد ایک ایک شادی کر چکے ہیں۔ اس صورتِ حال میں اس کے پاس دو ہی راستے باقی بچتے ہیں۔

پہلی صورت تو یہ ہے کہ وہ کسی شادی شدہ مرد سے شادی کر لے اور دوسری یہ کہ وہ عوامی ملکیت بننے کے راستے پر چل پڑے۔ حقیقت یہ ہے کہ کوئی تیسری صورت نہیں ہے۔ اور یہی دونوں راستے باقی بچتے ہیں۔ میں نے بے شمار لوگوں سے یہ سوال پوچھا ہے کہ سب نے ایک ہی جواب دیا کہ ایسی صورتِ حال میں وہ پہلی صورت کو ہی ترجیح دیں گے۔ آج تک کسی نے دوسری صورت کو پسند نہیں کیا۔ البتہ بعض ذہین لوگوں نے یہ جواب دیا کہ وہ پسند کریں گے کہ ان کی بہن ساری عمر کنواری ہی رہے۔

لیکن علم طب ہمیں بتاتا ہے کہ ایسا ہونا ممکن نہیں۔ مرد یا عورت کسی کے لیے بھی ساری عمر کنوارا رہنا بہت مشکل ہے اور اگر ایسا کیا جائے گا تو اس کا نتیجہ بدکرداری ہی کی صورت

میں برآمد ہوگا۔ کیونکہ اور کوئی صورت ہے ہی نہیں۔

وہ ''عظیم'' جوگی اور سنت جو تارک الدنیا ہو جاتے ہیں اور شہروں کو چھوڑ کر جنگلوں کی جانب نکل جاتے ہیں ان کے ساتھ دیوداسیاں بھی نظر آتی ہیں، کیوں؟ ایسا کیوں ہوتا ہے؟

ایک رپورٹ کے مطابق چرچ آف انگلینڈ سے وابستہ پادریوں اور ننوں کی اکثریت، جی ہاں اکثریت بدکرداری اور ہم جنس پرستی وغیرہ میں ملوث ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ کوئی تیسرا راستہ موجود ہی نہیں یا تو شادی شدہ مرد سے شادی ہے اور یا جنسی بے راہ روی ہے۔

....

سوال: ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کے لیے کیا شرائط اور وجوہات ہیں؟

جواب: سوال یہ پوچھا گیا ہے کہ ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کے لیے کیا کیا شرائط ہیں۔ ایک ہی شرط عاید کی گئی ہے اور وہ یہ کہ شوہر اپنی دونوں، یا تینوں یا چاروں بیویوں میں پورا انصاف کر سکتا ہے یا نہیں؟ اگر وہ عدل کر سکتا ہے تو اسے زیادہ شادیوں کی اجازت ہے۔ بصورتِ دیگر اسے ایک ہی بیوی پر اکتفا کرنا ہوگا۔

متعدد ایسی صورتیں ہیں جن میں مرد کے لیے ایک سے زاید شادیاں کرنا بہتر ہوتا ہے۔ پہلی صورت تو وہی ہے جس کا ذکر گزشتہ سوال کے جواب میں کیا گیا۔ چونکہ خواتین کی تعداد مردوں کے مقابلے میں زیادہ ہے اس لیے خواتین کی عفت اور عصمت کی حفاظت کے حوالے سے ایک سے زیادہ شادیاں کرنا ضروری ہے۔

اس کے علاوہ بھی متعدد صورتیں ہیں۔ مثال کے طور پر فرض کیجیے ایک نوجوان خاتون کی شادی ہوتی ہے اور شادی کے کچھ ہی عرصہ بعد وہ کسی حادثے کا شکار ہو کر معذور ہو جاتی ہے، اور اس کے لیے وظایف زوجیت ادا کرنا ممکن نہیں رہتا۔ اب اس صورت حال میں شوہر کے پاس دو راستے ہیں یا تو وہ اپنی اس معذور بیوی کو چھوڑ کر دوسری شادی کر لے اور یا اس بیوی کو بھی رکھے اور دوسری شادی بھی کر لے۔

میں آپ سے پوچھتا ہوں؟ فرض کر لیجیے کہ خدانخواستہ یہ بدقسمت خاتون جو حادثے

کا شکار ہوئی ہے، آپ کی بہن ہے۔ آپ ان دونوں صورتوں میں سے کون سی صورت پسند کریں گے؟ یہ کہ آپ کے بہنوئی دوسری شادی کر لیں یا یہ کہ وہ آپ کی بہن کو طلاق دے کر پھر دوسری شادی کرے؟

اسی طرح اگر بیماری یا کسی اور وجہ سے بیوی اپنے فرائض سرانجام دینے سے قاصر ہو جاتی ہے تو اس صورت میں بھی بہتر یہی ہے کہ شوہر دوسری شادی کر لے۔ اور یوں یہ دوسری بیوی نہ صرف اپنے شوہر کی بلکہ پہلی بیوی کی بھی دیکھ بھال کرے اور اگر پہلی بیوی کے بچے موجود ہیں تو ان بچوں کی بھی پرورش کرے۔

بہت سے لوگ یہاں یہ کہیں گے کہ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ شوہر اس مقصد کے لیے، یعنی بچوں کی دیکھ بھال کے لیے کوئی ملازمہ یا آیا وغیرہ بھی تو رکھی جا سکتی ہے۔ بات درست ہے۔ میں اس سے اتفاق کرتا ہوں بچوں اور معذور بیوی کا خیال رکھنے کے لیے تو ملازمہ رکھی جا سکتی ہے لیکن خود شوہر کا خیال کون رکھے گا؟

عملاً یہی ہو گا کہ بہت جلد ملازمہ اس کا بھی ''خیال رکھنا'' شروع کر دے گی۔ لہٰذا بہترین صورت یہی ہے کہ پہلی بیوی کو بھی رکھا جائے اور دوسری شادی بھی کر لی جائے۔

اسی طرح بے اولادی بھی ایک ایسی صورت ہے جس میں دوسری شادی کا مشورہ دیا جا سکتا ہے۔ طویل عرصے تک اولاد نہ ہونے کی صورت میں جب کہ شوہر اور بیوی دونوں اولاد کی شدید خواہش بھی رکھتے ہوں بیوی خود شوہر کو دوسری شادی کا مشورہ دے سکتی ہے۔

یہاں بعض لوگ کہیں گے کہ وہ کسی بچے کو گود بھی تو لے سکتے ہیں۔ لیکن اسلام اس عمل کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا جس کی متعدد وجوہات ہیں۔ ان وجوہات کی تفصیل میں، میں یہاں نہیں جاؤں گا۔ لیکن اس صورت میں بھی شوہر کے پاس دو ہی راستے باقی بچتے ہیں یعنی یا تو وہ پہلی بیوی کو طلاق دے کر دوسری شادی کرے اور یا پہلی شادی کو برقرار رکھتے ہوئے دوسری شادی کرے، اور دونوں کے ساتھ پورا عدل کرے۔

میرے خیال میں یہ کافی وجوہات ہیں۔

سوال: کیا عورت سربراہِ مملکت بن سکتی ہے؟

جواب: میرے بھائی نے سوال پوچھا ہے کہ کیا عورت سربراہِ مملکت بن سکتی ہے؟ میرے علم کی حد تک قرآن میں کوئی ایسی آیت موجود نہیں، کوئی ایسا حکم موجود نہیں کہ عورت ''سربراہِ حکومت نہیں بن سکتی۔''

لیکن متعدد احادیث ایسی موجود ہیں مثال کے طور پر ایک حدیث جس کا مفہوم ہے:

''وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی جس نے اپنا سربراہ عورت کو بنایا۔''

بعض علما کا کہنا ہے کہ ان احادیث کا تعلق اسی زمانے سے ہے۔ یعنی ان کا حکم اسی زمانے کے لیے محدود ہے جس زمانے میں فارس میں عورت حکمران تھی۔ جب کہ دیگر علما کی رائے مختلف ہے۔ وہ اس حکم کو ہر زمانے کے لیے عام سمجھتے ہیں۔

آیئے ہم تجزیہ کر کے دیکھتے ہیں کہ ایک عورت کے لیے سربراہِ حکومت بننا اچھا ہے یا نہیں؟ اگر ایک اسلامی ریاست میں عورت سربراہِ حکومت ہوگی تو لازماً اسے نمازوں کی امامت بھی کروانی ہوگی۔ اور اگر ایک عورت نماز باجماعت کی امامت کرواتی ہے تو اس سے لازماً نمازیوں کی توجہ بھٹکے گی۔ کیونکہ نماز کے متعدد ارکان ہیں۔ مثلاً قیام، رکوع، سجدہ وغیرہ۔ جب ایک عورت مرد نمازیوں کی امامت کروائے گی اور یہ ارکان ادا کرے گی تو مجھے یقین ہے کہ نمازیوں کے لیے پریشانی پیدا ہوگی۔

اگر عورت ایک جدید معاشرے میں سربراہِ حکومت ہوگی، جیسا کہ ہمارا آج کل کا معاشرہ ہے تو بسا اوقات اسے بحیثیت سربراہِ مملکت دوسرے سربراہانِ مملکت سے ملاقاتیں کرنی ہوں گی جو کہ بالعموم مرد حضرات ہوتے ہیں۔ اس طرح کی ملاقاتوں کا ایک حصہ عموماً بند کمرے کی ملاقات بھی ہوتا ہے۔ جس میں دونوں سربراہان تنہائی میں ملاقات کرتے ہیں جس کے دوران کوئی اور موجود نہیں ہوتا۔ اسلام ایسی ملاقات کی اجازت نہیں دیتا۔ اسلام کسی عورت کو تنہائی میں کسی نامحرم سے ملاقات کی اجازت نہیں دیتا۔

اسلام مرد و عورت کے اختلاط کو ناجائز قرار دیتا ہے۔ بحیثیت سربراہ حکومت عورت کو

منظرِ عام پر رہنا ہوتا ہے۔ اس کی تصاویر بنتی ہیں۔ اس کی ویڈیو فلمیں بنتی ہیں۔ ان تصاویر میں وہ نامحرم مردوں کے ساتھ ہوتی ہے۔ کوئی بھی عورت مثال کے طور پر مارگریٹ تھیچر اگر سربراہِ حکومت ہو تو آپ کو اس کی بے شمار تصاویر مل سکتی ہیں جن میں وہ مردوں سے ہاتھ ملا رہی ہو گی۔ اسلام اس طرح کے آزادانہ اختلاط کی قطعی اجازت نہیں دیتا۔

بحیثیت سربراہِ مملکت ایک عورت کے لیے عوام کے قریب رہنا اور ان سے مل کر ان کے مسائل معلوم کرنا بھی مشکل ہو گا۔

جدید سائنس ہمیں بتاتی ہے کہ ایام حیض کے دوران عورت میں متعدد نفسیاتی، ذہنی اور رویے سے متعلق تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں۔ جس کی وجہ جنسی ہارمون ایسٹوجن ہوتے ہیں۔ اب اگر یہ عورت سربراہِ مملکت ہے تو یہ تبدیلیاں یقیناً اس کی قوت فیصلہ پر اثر انداز ہوں گی۔ سائنس ہمیں یہ بھی بتاتی ہے کہ عورت میں بولنے کی، گفتگو کی صلاحیت مرد کے مقابلے میں زیادہ ہوتی ہے۔ جبکہ مرد میں ایک خاص صلاحیت Spacialagility زیادہ ہوتی ہے۔ اس صلاحیت سے مراد ہوتی ہے مستقبل کی منصوبہ بندی کرنے، مستقبل کو دیکھنے اور سمجھنے کی صلاحیت۔ یہ صلاحیت ایک سربراہِ حکومت کے لیے از حد ضروری ہے۔ عورتوں کو گفتگو کی صلاحیت مردوں کے مقابلے میں زیادہ دی گئی ہے کیونکہ یہ صلاحیت بحیثیت ماں کے اس کے لیے ضروری ہے۔

ایک عورت حاملہ بھی ہو سکتی ہے اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں اسے چند ماہ کے لیے آرام کرنا ہو گا، اس دران اس کے فرائض کون ادا کرے گا۔ اس کے بچے ہوں گے اور ماں کے فرائض نہایت اہم ہیں۔ ایک مرد کے لیے سربراہِ حکومت کی ذمہ داریاں اور ایک باپ کی ذمہ داریاں بیک وقت ادا کرنا زیادہ قابل عمل ہے۔ جب کہ ایک عورت کے لیے سربراہِ مملکت اور ماں کی ذمہ داریاں بیک وقت ادا کرنا بہت مشکل ہے۔

ان وجوہات کے باعث میری رائے ان علما کرام کے زیادہ قریب ہے جو کہتے ہیں کہ عورت کو سربراہِ مملکت نہیں بنایا جانا چاہیے۔

لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ عورت فیصلوں میں حصہ نہیں لے سکتی یا قانون سازی کے عمل میں شریک نہیں ہو سکتی۔ جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا عورت یقیناً قانون سازی کے عمل میں حصہ لے سکتی ہے۔ اسے ووٹ دینے کا حق بھی حاصل ہے۔ صلح حدیبیہ کے دوران حضرت ام سلمٰی رضی اللہ عنہا حضور نبی کریم ﷺ کو مشورہ دیتی رہیں۔ ایک ایسے وقت میں جب تمام مسلمان پریشان تھے انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی دلجوئی بھی فرمائی اور انھیں مشورے بھی دیے۔

آپ جانتے ہیں کہ سربراہِ حکومت تو صدر یا وزیراعظم ہوتے ہیں لیکن بعض اوقات سیکرٹری یا PA کو بہت سے فیصلے کرنے ہوتے ہیں لہٰذا یقیناً ایک عورت مرد کی مدد ضرور کر سکتی ہے۔ اور اہم فیصلے کرنے میں اسے مفید مشورے اور رہنمائی فراہم کر سکتی ہے۔

....

سوال: اگر اسلامی تعلیمات یہ ہیں کہ مرد اور عورت کے حقوق برابر ہیں تو پھر عورت کو پردے کا حکم کیوں دیا گیا ہے؟

جواب: میری بہن نے ایک بہت اچھا سوال پوچھا ہے کہ اگر اسلام حقوق نسواں میں یقین رکھتا ہے، اگر اسلام مرد اور عورت کو برابر سمجھتا ہے تو پھر اسلام پردے کا حکم کیوں دیتا ہے؟ اور دونوں جنسوں یعنی مرد اور عورت کو الگ رکھنے کی تاکید کیوں کرتا ہے۔

میں پردے کے حکم کے بارے میں گفتگو تھوڑی دیر بعد کروں گا، میں اپنی بہن کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جس نے یہ سوال پوچھا ہے کیونکہ میں پردے یا حجاب کے بارے میں گفتگو نہیں کر پایا تھا۔

اگر آپ قرآن کا مطالعہ کریں تو آپ دیکھیں گے کہ عورت کو حجاب کا حکم دینے سے پہلے قرآن مرد کو حجاب کا حکم دیتا ہے۔

سورۂ نور میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ

اَزْکٰی لَھُمْ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌ بِمَا یَصْنَعُوْنَ ○ ﴾ (۲۴: ۳۰)

''مومن مردوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں۔ یہ ان کے لیے بڑی پاکیزگی کی بات ہے (اور) جو کام یہ کرتے ہیں اللہ ان سے خبردار ہے۔''

اور اس کے بعد اگلی ہی آیت میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِھِنَّ وَیَحْفَظْنَ فُرُوْجَھُنَّ وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَھُنَّ اِلَّا مَا ظَھَرَ مِنْھَا وَلْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِھِنَّ عَلٰی جُیُوْبِھِنَّ .... ﴾ (۲۴: ۳۱)

''اور مومن عورتوں سے بھی کہہ دو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں اور اپنی آرائش (یعنی زیور کے مقامات) کو ظاہر نہ ہونے دیا کریں مگر جو اس میں سے کھلا رہتا ہو اور اپنے سینوں پر اوڑھنیاں اوڑھے رہا کریں...........''

اس کے بعد رشتہ داروں کی ایک طویل فہرست دی گئی ہے اور ظاہر ہے کہ خواتین بھی اس میں شامل ہیں۔ ان کے علاوہ اسے تمام لوگوں سے پردہ کرنا ہے۔ یعنی ''حجاب'' کے اُصولوں پر عمل کرنا ہے۔ اسلامی حجاب کے یہ اُصول قرآن مجید اور احادیث میں بیان کیے گئے ہیں۔ یہ اُصول تعداد میں چھ ہیں:

- پہلا اُصول حجاب کی حد یا معیار کا ہے۔ جو کہ مرد اور عورت کے لیے مختلف ہیں۔ مرد کے لیے سترِ عورت کی حد ناف سے گھٹنے تک ہے جبکہ عورت کے لیے سارا جسم ہی سترِ عورت میں شامل ہے۔ جو اعضا نظر آ سکتے ہیں وہ صرف چہرہ اور کلائیوں تک ہاتھ ہیں۔ ان کے علاوہ سارے جسم کا حجاب یعنی چھپایا جانا ضروری ہے۔ اگر وہ چہرہ اور ہاتھ بھی چھپانا چاہے تو اسے منع نہیں کیا گیا لیکن ان اعضا کا محرم کے سامنے چھپانا لازم نہیں ہے۔ یہ وہ واحد اُصول ہے جو مرد اور عورت کے لیے مختلف ہے۔ باقی تمام

اُصول دونوں کے لیے یکساں ہیں۔

❀ دوسرا اُصول یہ ہے کہ عورت کا لباس تنگ اور چست نہیں ہونا چاہیے۔ یعنی اس قسم کا لباس نہیں پہننا چاہیے جس سے جسم کے نشیب و فراز واضح طور پر نظر آنے لگیں۔

❀ تیسرا اُصول یہ ہے کہ عورت کا لباس شفاف نہیں ہونا چاہیے۔ یعنی ایسا لباس نہیں پہننا چاہیے جس میں سے آر پار نظر آئے۔

❀ چوتھا اُصول یہ ہے کہ لباس بہت زیادہ شوخ اور بھڑکیلا نہیں ہونا چاہیے یعنی ایسا لباس بھی نہیں ہونا چاہیے جو جنسِ مخالف کو ترغیب دینے والا ہو۔

❀ پانچواں اُصول یہ ہے کہ جنسِ مخالف سے مشابہت رکھنے والا لباس نہیں پہننا چاہیے یعنی مردوں کو عورتوں جیسے اور عورتوں کو مردوں جیسے لباس پہننے سے پرہیز کرنا چاہیے۔ جس کی ایک مثال مردوں کا کانوں میں بالیاں وغیرہ پہننا ہے۔ اگر آپ ایک کان میں بالی پہنتے ہیں تو اس سے مراد کچھ اور لی جاتی ہے لیکن اگر دونوں کانوں میں پہنی جائے تو اس کا مطلب کچھ اور ہوتا ہے۔ اس سے اسلام میں منع کیا گیا ہے۔

❀ چھٹا اور آخری اُصول یہ ہے کہ آپ کو ایسا لباس بھی نہیں پہننا چاہیے جس میں کفار سے مشابہت ہوتی ہو۔

مندرجہ بالا نکات میں اسلامی حجاب کے بنیادی اُصول بیان کر دیے گئے ہیں۔ اب ہم اصل سوال کی جانب آتے ہیں۔ یعنی یہ کہ عورتوں پر پردے کی پابندی کیوں لگائی گئی ہے اور دوسرے یہ کہ دونوں جنسوں کے اختلاط سے کیوں روکا گیا ہے؟

اس مقصد کے لیے ہم دونوں طرح کے معاشروں کا تجزیہ کرتے ہیں یعنی وہ معاشرے جن میں پردہ کیا جاتا ہے اور وہ معاشرے جن میں پردہ موجود نہیں ہے۔ دنیا میں اس وقت سب سے زیادہ جرائم جس ملک میں ہوتے ہیں وہ ملک امریکہ ہے۔

امریکی تحقیقاتی ادارے ''فیڈرل بیورو آف انوسٹی گیشن'' کی ۱۹۹۰ء میں سامنے آنے والی ایک رپورٹ کے مطابق اس ایک سال کے دوران ایک ہزار دو سو پچاس زنا بالجبر کی

وارداتیں ہوئیں۔ یہ وہ واقعات ہیں جن کی رپورٹ ہوئی۔ اور یہی رپورٹ کہتی ہے کہ صرف ۱۶فی صد واقعات رپورٹ ہوئے۔ اس حساب سے اگر آپ اصل تعداد معلوم کرنا چاہیں تو وہ خود ضرب تقسیم کرلیں، آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ صرف ایک سال کے عرصے میں کتنی خواتین کے ساتھ زنا بالجبر کے واقعات ہوئے، بعد میں یہ تعداد مزید بڑھ گئی اور یہاں تک پہنچی کہ روزانہ ایک ہزار نو سو واقعات ہونے شروع ہو گئے۔

شاید امریکی زیادہ بولڈ ہوگئے ہوں گے۔

۱۹۹۳ء کی رپورٹ کے مطابق ہر ۱ء۳ منٹ کے بعد ایک خاتون کے ساتھ زنا بالجبر کا واقعہ ہورہا ہے۔

لیکن ایسا کیوں ہورہا ہے؟

امریکہ نے خواتین کو زیادہ حقوق دیے ہیں اور وہاں زیادتی کے واقعات زیادہ ہو رہے ہیں۔

مزید افسوس ناک بات یہ ہے کہ صرف دس فی صد مجرم گرفتار ہوتے ہیں۔ یعنی صرف ۱۶فی صد واقعات رپورٹ ہوتے ہیں اور دس فی صد گرفتاریاں ہوتی ہیں یعنی عملاً صرف ۶ء۱ فی صد ملزم گرفتار ہوتے ہیں۔ ان گرفتار ہونے والوں میں سے بھی نصف باقاعدہ کوئی کیس چلنے سے قبل ہی رہا کردیے جاتے ہیں یعنی اعشاریہ آٹھ فی صد مجرموں کے خلاف باقاعدہ کیس چلتا ہے۔

اس سارے تجزیے کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اگر کوئی شخص ایک سو پچیس خواتین کے ساتھ زیادتی کا مرتکب ہوتا ہے تو امکان یہ ہے کہ ایک دفعہ اس کے خلاف باقاعدہ قانونی کارروائی کی جائے گی۔

اس صورت میں بھی پچاس فی صد امکان یہ ہے کہ اسے ایک سال سے بھی کم قید کی سزا ہوگی۔

اگر امریکی قانون میں زنا بالجبر کی سزا عمر قید ہے لیکن اگر مجرم پہلی مرتبہ گرفتار ہوا ہے تو

قانون اسے ایک موقع دینے کے حق میں ہے اور اسی لیے پچاس فی صد واقعات میں مجرم کو ایک سال سے بھی کم سزا سنائی جاتی ہے۔

خود ہندوستان میں صورتِ حال یہ ہے کہ نیشنل کرائم بیورو کی ایک رپورٹ کے مطابق، جو یکم دسمبر ۱۹۹۲ء کو شایع ہوئی ہے، ہندوستان میں ہر ۵۴ منٹ کے بعد زنا بالجبر کا ایک کیس رپورٹ ہوتا ہے۔ اسی رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ ہر ۲۶ منٹ کے بعد جنسی استحصال کا ایک واقعہ ہوتا ہے اور ہر ایک گھنٹہ ۴۳ منٹ کے بعد جہیز کی وجہ سے قتل کی ایک واردات ہوتی ہے۔

اگر ہمارے ملک میں ہونے والی زنا بالجبر کی وارداتوں کی کل تعداد معلوم کی جائے تو تقریباً ہر دو منٹ کے بعد ایک واردات کی اوسط نکلے گی۔

اب میں ایک سادہ سا سوال پوچھنا چاہتا ہوں۔ یہ بتائیے کہ اگر امریکہ کی ہر عورت پردہ کرنا شروع کر دے تو کیا ہوگا؟

کیا زنا بالجبر کی وارداتوں کی شرح یہی رہے گی؟

کیا ان وارداتوں میں اضافہ ہوگا؟

یا ان وارداتوں میں کمی واقع ہوگی؟

پھر یہ کہ اسلامی تعلیمات کو ان کے مجموعی تناظر میں دیکھنا چاہیے۔ اسلام حکم دیتا ہے کہ قطع نظر اس کے کہ کوئی عورت پردہ کرے یا نہ کرے، مرد کے لیے بہر حال لازم ہے کہ وہ نظریں نیچی رکھے۔

اور اگر کوئی مرد زنا بالجبر کا مرتکب ہوتا ہے تو اسلام میں اس کے لیے سزائے موت ہے۔ کیا آپ کے خیال میں یہ ''وحشیانہ سزا'' ہے؟

میں نے یہ سوال بہت سے لوگوں سے کیا ہے اور آپ سے بھی کرنا چاہتا ہوں۔ فرض کیجیے آپ کی بہن کے ساتھ زیادتی ہوتی ہے اور آپ کو جج بنا دیا جاتا ہے۔ اب اس سے قطع نظر کہ اسلامی قانون کیا کہتا ہے اس سے بھی قطع نظر کہ ہندوستانی قانون کیا کہتا ہے اور اس

سے بھی قطع نظر کہ امریکی قانون کیا کہتا ہے؟ آپ بتائیے کہ اگر آپ کو جج بنا دیا جاتا ہے تو آپ مجرم کو کیا سزا سنائیں گے؟

ہر کسی نے ایک ہی جواب دیا: ''سزائے موت''

بعض تو اس سے بھی آگے بڑھ گئے اور کہا کہ وہ مجرم کو اذیتیں دے دے کر ہلاک کرنا پسند کریں گے۔

میں دوبارہ پوچھتا ہوں کہ اگر امریکہ میں اسلامی شریعت نافذ کر دی جائے تو ان وارداتوں میں اضافہ ہوگا؟ کمی ہوگی؟ یا ان کی تعداد یہی رہے گی؟

اگر ہندوستان میں اسلامی قانون کا نفاذ کر دیا جائے تو پھر کیا ہوگا؟ کیا زنا بالجبر کی شرح یہی رہے گی؟ کمی ہوگی یا بڑھ جائے گی؟

اگر ہم عملی تجزیہ کریں تو جواب واضح ہے۔

آپ کہتے ہیں کہ آپ نے عورت کو حقوق دیے ہیں۔ مگر یہ حقوق محض نظری طور پر دیے گئے ہیں عملاً آپ نے عورت کو ایک طوائف اور ایک داشتہ کی حیثیت دے دی ہے۔

میں محض پردے کے موضوع پر کئی دن تک گفتگو کر سکتا ہوں۔ لیکن میں اپنا جواب مختصر رکھتے ہوئے ایک مثال پیش کرنا چاہوں گا۔

فرض کیجیے دو خواتین ہیں جو آپس میں جڑواں بہنیں ہیں۔ اور دونوں خواتین یکساں خوبصورت ہیں۔ دونون ایک گلی میں سے گزر رہی ہیں۔ گلی کی نکر پر ایک بدمعاش کھڑا ہے۔ جو لڑکیوں کو چھیڑتا ہے، تنگ کرتا ہے۔ یہ دونوں خواتین یکساں خوبصورت ہیں لیکن ایک اسلامی لباس میں ہے، یعنی اس نے پردہ کیا ہوا ہے جب کہ دوسری مغربی لباس میں ہے یعنی اس نے منی سکرٹ وغیرہ پہنا ہوا ہے۔ اب یہ بدمعاش ان میں سے کسے چھیڑے گا؟ ظاہر ہے کہ مغربی لباس والی خاتون کو۔

یا فرض کیجیے کہ ان میں سے ایک خاتون تو پردے میں ہے اور دوسری بھی شلوار قمیض میں ہے لیکن اس کا لباس تنگ ہے، سر سے دوپٹہ غائب ہے، اس صورت میں بھی وہ کسے

چھیڑے گا؟ پردہ دار خاتون کو یا بے حجاب خاتون کو؟ صاف ظاہر ہے کہ دوسری خاتون کو۔

یہ اس بات کا ایک عملی ثبوت ہے کہ اسلام نے عورت کو حجاب کا حکم اس کی عزت اور وقار کی حفاظت کے لیے دیا ہے اس کی عزت گھٹانے کے لیے نہیں۔

سوال: اسلام مسلمان مردوں کو تو اہل کتاب خواتین سے شادی کی اجازت دیتا ہے لیکن مسلمان عورتوں کو اہل کتاب مردوں سے شادی کی اجازت نہیں دیتا، ایسا کیوں ہے؟

جواب: بھائی نے سوال پوچھا ہے کہ قرآن مسلمان مردوں کو تو اہل کتاب عورت سے شادی کی اجازت دیتا ہے لیکن مسلمان عورت کو اہل کتاب مرد سے شادی کی اجازت نہیں دیتا، ان کی بات بالکل درست ہے۔

سورۂ مائدہ میں اس حوالے سے ارشاد ہوتا ہے:

﴿ اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ ﴾ (۵:۵)

”آج تمہارے لیے سب پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئیں اور اہل کتاب کا کھانا بھی تم کو حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کو حلال ہے اور پاک دامن مومن عورتیں اور پاک دامن اہل کتاب عورتیں بھی (حلال ہیں) جب کہ ان کا مہر دے دو۔ اور ان سے عفت قائم رکھنی مقصود ہو نہ کھلی بدکاری کرنی اور نہ چھپی دوستی کرنی اور جو شخص ایمان کا منکر ہوا اس کے عمل ضایع ہو گئے اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں سے ہو گا۔“

اس آیت کی روشنی میں اسلام کا حکم یہ ہے کہ مسلمان مرد اہل کتاب عورت سے شادی کر سکتا ہے اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ایک اہل کتاب عورت، یہودی یا عیسائی عورت ایک مسلمان مرد سے شادی کرے گی تو اس کا خاوند یا اس کے خاوند کے اہل خاندان اور گھر والے اس عورت کی مقدس ترین ہستیوں یعنی انبیائے کرام کی توہین یا ان کی شان میں کسی گستاخی کے مرتکب نہیں ہوں گے کیونکہ بحیثیت مسلمان ہم یہودیوں اور عیسائیوں کے انبیائے کرام یعنی حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی بھی عزت اور احترام کرتے ہیں۔ جن انبیاء علیہم السلام پر ان کا ایمان ہے ان پر ہمارا بھی ایمان ہے۔ حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت داؤد، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام پر ہم بھی ایمان رکھتے ہیں۔

چونکہ اس اہل کتاب عورت کے انبیائے کرام ہمارے لیے بھی محترم ہیں اس لیے مسلمان خاندان میں اس عورت کا مذاق نہیں اُڑایا جائے گا۔ لیکن اہل کتاب یعنی یہودی اور عیسائی ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں رکھتے۔ لہٰذا اگر ایک مسلمان عورت اہل کتاب خاندان میں جائے گی تو وہاں اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام اور تقدس ملحوظ نہیں رکھا جائے گا اور عین ممکن ہے کہ اس کے عقاید کا مذاق اُڑایا جائے۔

یہی وجہ ہے کہ مسلمان عورت کو اہل کتاب مرد سے شادی کی اجازت نہیں دی گئی جب کہ مسلمان مرد کو اہل کتاب عورت سے شادی کی اجازت ہے۔

سوال پوچھنے والے بھائی نے ایک اور آیت کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ یہ سورۂ بقرہ کی ایک آیت ہے جس میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ

لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۲۱:۲﴾

''اور (مومنو) مشرک عورتوں سے جب تک ایمان نہ لائیں نکاح نہ کرنا کیونکہ مشرک عورت خواہ تم کو خواہ کیسی ہی بھلی لگے اس سے مومن لونڈی بہتر ہے اور (اسی طرح) مشرک مرد جب تک ایمان نہ لائیں مومن عورتوں کو ان کی زوجیت میں نہ دینا کیونکہ مشرک (مرد) سے خواہ وہ تم کو کیسا ہی بھلا لگے، مومن غلام بہتر ہے۔ یہ (مشرک لوگوں کو) دوزخ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ اپنی مہربانی سے بہشت اور بخشش کی طرف بلاتا ہے اور اپنے حکم لوگوں سے کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ نصیحت حاصل کریں۔''

گویا ایک کافر عورت دنیا کی امیر ترین عورت کیوں نہ ہو۔ دنیا کی خوبصورت ترین عورت کیوں نہ ہو وہ برطانیہ کی ملکہ ہی کیوں نہ ہو ایک مسلمان لونڈی اس سے بہتر ہے۔

اس آیت میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ مشرک مرد سے اپنی بیٹیوں کا نکاح نہ کرو کیونکہ ایک کافر مرد کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو ایک مسلمان غلام بھی اس سے بہتر ہے۔

ہمیں قرآنی احکامات کو ان کے مجموعی تناظر میں دیکھنا چاہیے۔

سورۂ مائدہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَ قَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَ رَبَّكُمْ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَ مَاْوٰىهُ النَّارُ وَ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۷۲:۵﴾

''وہ لوگ بے شبہ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ مریم کے بیٹے (عیسیٰ علیہ السلام) مسیح خدا ہیں۔ حالاں کہ مسیح علیہ السلام یہود سے یہ کہا کرتے تھے کہ اے بنی اسرائیل! اللہ ہی کی عبادت کرو جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی (اور جان رکھو کہ) جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرے گا اللہ اس پر بہشت کو حرام کر

دے گا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔"

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُم مِّنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ ﴾ (۳:۱۱۰)

"(مومنو!) جتنی اُمتیں (یعنی قومیں) لوگوں میں پیدا ہوئیں تم ان سب سے بہتر ہو کہ نیک کام کرنے کو کہتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور اگر اہل کتاب بھی ایمان لے آتے تو ان کے لیے بہت اچھا ہوتا۔ ان میں ایمان لانے والے بھی ہیں (لیکن تھوڑے) اور اکثر بے ایمان ہیں۔"

گویا قرآن کا حکم یہ ہے کہ اہل کتاب میں سے بھی انھی خواتین سے شادی کرنے کی اجازت ہے جو ایمان لانے والی ہیں۔ جو حضرت عیسیٰ کو خدا یا خدا کا بیٹا نہیں بلکہ پیغمبر تسلیم کرتی ہیں۔ اور ایک اللہ پر ایمان رکھتی ہیں۔

سوال: اسلام میں عورت کو، خواہ وہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ وصیت کرنے کی اجازت کیوں نہیں ہے؟

جواب: بہن نے پوچھا ہے اسلام میں عورت وصیت کرنے کی اجازت کیوں نہیں ہے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ جیسا کہ میں نے اپنی گفتگو کے دوران بھی عرض کیا، اسلام نے عورت کو پورے معاشی حقوق دیے ہیں اور یہ حقوق اس نے مغرب کے مقابلے ۱۴۰۰ برس پہلے ہی دے دیے تھے۔

میں نے اپنی گفتگو کے دوران واضح طور پر کہ کوئی بھی عاقل اور بالغ عورت اپنے ان حقوق کا استعمال کرسکتی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ عاقل اور بالغ ہونے والی شرط تو لازماً ہوگی۔

کوئی بھی عاقل اور بالغ عورت، اس سے قطع نظر کہ وہ شادی شدہ ہے یا غیر شادی شدہ، یہ حق رکھتی ہے کہ آزادی سے اپنی جائداد کے بارے میں کوئی بھی فیصلہ کر سکے۔ وہ چاہے تو اس سلسلے میں کسی سے مشاورت کر سکتی ہے ورنہ اس کی بھی پابندی نہیں۔

اسے وصیت کرنے کا بھی حق حاصل ہے اور اسلام اس سے قطعاً منع نہیں کرتا۔

سوال: اگر اسلام مرد اور عورت کو برابر سمجھتا ہے تو پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ مرد کو تو چار شادیوں کی اجازت دی گئی ہے لیکن عورت کو یہ اجازت نہیں دی گئی؟

جواب: میرے بھائی نے سوال پوچھا ہے کہ اگر اسلام مرد کو چار شادیوں کی اجازت دیتا ہے تو عورت کو یہ اجازت کیوں نہیں دیتا؟ عورت کیوں مرد کی طرح ایک سے زاید شادیاں نہیں کر سکتی؟

اس سلسلے میں آپ کو چند نکات ذہن میں رکھنے چاہئیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ مرد میں جنسی خواہش اور جذبہ عورت کے مقابلے میں زیادہ ہوتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ دونوں جنسوں کی حیاتیاتی ساخت میں فرق اس نوعیت کا ہے کہ مرد کے لیے ایک سے زیادہ بیویوں کے ساتھ زندگی گزارنا آسان ہے جب کہ عورت کے لیے بہت مشکل طبی سائنس ہمیں بتاتی ہے کہ ایام حیض کے دوران کچھ ذہنی اور نفسیاتی تبدیلیوں سے گزرتی ہے۔ جس کی وجہ سے اس کے مزاج میں چڑچڑا پن پیدا ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میاں بیوی کے درمیان بیش تر جھگڑے انہی دنوں میں ہوتے ہیں۔

خواتین کے جرائم کے بارے میں ایک رپورٹ امریکہ سے شایع ہوئی ہے۔ اس رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ مجرم خواتین کی اکثریت ایام حیض کے دوران جرائم کی مرتکب ہوئی۔

اس لیے اگر ایک عورت کے ایک سے زیادہ خاوند ہوں تو اس کے لیے ذہنی طور پر اس

صورتِ حال سے نپٹنا بہت مشکل ہے۔

ایک اور سبب یہ ہے کہ جدید علم طب کے مطابق اگر ایک عورت ایک سے زیادہ مردوں کے ساتھ جنسی روابط رکھتی ہے تو اس کے بیماریوں کے شکار ہونے اور یہ بیماریاں پھیلانے کے امکانات بہت زیادہ ہیں۔ جب اگر ایک مرد ایک سے زیادہ شادیاں کرتا ہے تو ایسے امکانات نہ ہونے کے برابر ہیں۔

ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ اگر ایک مرد کی ایک سے زیادہ بیویوں سے اولاد ہے تو اس کے ہر بچے کو اپنی ماں کا بھی علم ہوگا اور باپ کا بھی۔ یعنی یہ بچہ اپنے والدین کی یقینی شناخت کر سکے گا۔ دوسری طرف اگر ایک عورت کے شوہر ایک سے زیادہ ہیں تو اس کے بچوں کو اپنی ماں کا تو علم ہوگا لیکن باپ کا علم نہیں ہوگا۔

اسلام والدین کی شناخت کو بھی بہت زیادہ اہمیت دیتا ہے، اور ماہرین نفسیات بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر ایک بچے کو اپنے والدین کا علم نہ ہو تو یہ بات اس کے لیے ذہنی صدمے کا باعث بن سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بدکردار عورتوں کے بچوں کا بچپن بالعموم بہت برا گزرتا ہے۔

اگر ایک ایسے بچے کو آپ سکول میں داخل کروانا چاہیں تو کیا کریں گے۔ ولدیت کے خانے میں دو نام لکھنے پڑیں گے۔ آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ ایسے بچے کو کیا کہہ کر پکارا جائے گا؟

میں جانتا ہوں کہ آپ جواباً کچھ دلائل پیش کر سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر آپ کہہ سکتے ہیں کہ اگر بے اولادی کی وجہ سے، بیوی کے بانجھ ہونے کی وجہ سے شوہر کو دوسری شادی کی اجازت ہے تو شوہر میں کوئی خرابی ہونے کی صورت میں بیوی کو دوسری شادی کی اجازت کیوں نہیں ہے؟

اس سلسلے میں آپ کو بتانا چاہوں گا کہ کوئی مرد سو فی صد نامرد نہیں ہوتا۔ اگر وہ جنسی عمل سرانجام دے سکتا ہے تو اس کے باپ بننے کے امکانات موجود رہتے ہیں۔ خواہ وہ نس

بندی ہی کیوں نہ کروا لے۔ لہٰذا اولاد کی ولدیت میں شک بہر حال موجود رہے گا کوئی بھی ڈاکٹر آپ کی سو فی صد گارنٹی نہیں دے سکتا کہ یہ شخص باپ نہیں بن سکتا۔

اسی طرح آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اگر بیوی کے حادثے کا شکار ہونے یا شدید بیمار ہونے کی صورت میں شوہر دوسری شادی کر سکتا ہے تو شوہر کے کسی حادثے کا شکار ہونے یا بیمار ہونے کی صورت میں یہی اجازت بیوی کو بھی ہونی چاہیے۔

اس سلسلے میں عرض ہے کہ ایسی کسی صورت حال کے دو طرح کے اثرات ظاہر ہوں گے۔ ایک تو یہ ہو گا کہ شوہر کے لیے بیوی بچوں کے اخراجات پورے کرنا ممکن نہیں رہے گا اور دوسرے یہ کہ وہ بیوی کے ازدواجی حقوق ادا نہیں کر سکے گا۔

جہاں تک پہلے مسئلے کا تعلق ہے اسلام ایسی کسی صورت حال کے لیے ''زکوٰۃ'' کا ذریعہ فراہم کرتا ہے۔ وہ لوگ جن کے پاس مالی وسائل نہیں ہیں ان کی مدد زکوٰۃ کی رقوم سے کی جانی چاہیے۔

دوسرے مسئلے کا معاملہ یہ ہے کہ طبی سائنس کی تحقیقات کے مطابق عورت میں جنسی خواہش مرد کے مقابلے میں کم ہوتی ہے لیکن اگر عورت سمجھے کہ وہ غیر مطمئن ہے تو اسکے پاس ''خلع'' کے ذریعے علیحدگی کا راستہ موجود ہے۔ وہ اپنے شوہر سے خلع لے کر دوسری شادی کر سکتی ہے۔ اس طرح عورت کا کوئی نقصان نہیں ہے۔ کیونکہ خلع کے ذریعے علیحدہ ہونے والی عورت صحت مند ہوتی ہے۔ اور دوبارہ شادی کر سکتی ہے۔ بصورتِ دیگر، اگر وہ خود بیمار یا معذور ہو تو کون اس سے شادی کرے گا۔

سوال: یوں تو تمام مذاہب کی مقدس کتابوں میں اچھی باتیں لکھی ہوئی ہیں لیکن عملاً ان مذاہب کے ماننے والوں کا رویہ عورت کے ساتھ غیر منصفانہ رہا ہے۔ اصل اہمیت کتابوں میں لکھی ہوئی تعلیمات کی ہے یا عملی رویے کی؟

جواب: میرے بھائی نے بہت اچھا سوال پوچھا ہے۔ اُن کا کہنا ہے کہ کتب مقدسہ

میں تو اچھی باتیں ہی لکھی ہوئی ہیں لیکن سوال تو یہ ہے کہ لوگ عملاً کیا کرتے ہیں۔ یقیناً ہمیں نظری گفتگو سے زیادہ اہمیت عمل کو دینی چاہیے۔ لہٰذا میں اس بات کی پوری حمایت کرتا ہوں۔ اور یہی ہم کر رہے ہیں۔ جیسا کہ میں نے اپنی گفتگو کے دوران بھی واضح کیا بہت سے مسلمان معاشرے قرآن وسنت کی تعلیمات سے دور ہٹ چکے ہیں اور ہم یہی کر رہے ہیں کہ لوگوں کو دعوت دیں کہ وہ دوبارہ قرآن وسنت کی طرف لوٹ آئیں۔

جہاں تک سوال کے پہلے حصے کا تعلق ہے کہ تمام مذہبی کتابوں میں اچھی باتیں ہی لکھی ہوئی ہیں تو میں اس بات سے قطعاً اتفاق نہیں کرتا۔ میں آپ کی اس بات سے متفق نہیں ہوں کہ تمام متون مقدسہ میں اچھی باتیں ہیں اور ہمیں ان کے بارے میں بات ہی نہیں کرنی چاہیے۔

میں ''اسلام اور دیگر مذاہب میں عورت کا مقام'' کے موضوع پر ایک لیکچر دے چکا ہوں جس میں میں نے اسلام میں عورت کے مقام کا تقابل بدھ مت، ہندومت، عیسائیت اور یہودیت میں عورت کے مقام کے ساتھ کیا تھا۔ آپ خود فیصلہ کر سکتے ہیں۔ میرا وہ لیکچر سن کر آپ خود یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ کون سا مذہب خواتین کو زیادہ حقوق دیتا ہے۔ اب ہمیں کرنا یہ ہے کہ ان تعلیمات پر عمل بھی کریں۔

اور جزوی طور پر ان تعلیمات پر عمل کیا بھی جا رہا ہے۔ بعض پہلوؤں پر عمل ہو رہا ہے اور بعض پر نہیں۔ مثال کے طور پر جہاں تک حدود کے نفاذ اور اسلامی نظامِ تعزیرات کا تعلق ہے۔ سعودی عرب میں اس پر عمل ہو رہا ہے۔ الحمد للہ سعودی حکومت اس حوالے سے بہت اچھا کام کر رہی ہے۔ اگرچہ بعض معاملات میں وہ بھی قرآن سے دور ہٹ گئے ہیں۔ ہمیں کرنا یہ چاہیے کہ سعودی عرب کے نظامِ قانون کی مثال سامنے رکھیں، اس کا جائزہ لیں اور اگر یہ نظام مؤثر ہے تو پوری دنیا میں اس پر عمل کیا جائے۔

اسی طرح اگر کسی اور معاشرے میں اسلام کے معاشرتی قانون پر عمل ہو رہا ہے تو اس کا بھی جائزہ لیا جانا چاہیے اور اگر وہ مؤثر ہے تو پوری دنیا میں اس کا نفاذ ہونا

چاہیے۔

میرے بھائی ہم یہاں اس لیے جمع ہوئے ہیں کہ آپ کو بتا سکیں کہ اسلامی قانون ہی بہترین قانون ہے۔ اگر ہم اس قانون پر عمل نہیں کر رہے ہیں تو یہ ہمارا قصور ہے، دین اسلام کا نہیں۔ اسی لیے ہم نے لوگوں کو بلایا ہے۔ تاکہ لوگ قرآن وحدیث کی تعلیمات کو صحیح تناظر میں سمجھ سکیں اور ان تعلیمات پر عمل کر سکیں۔

میں اُمید رکھتا ہوں کہ سوال کا جواب مل چکا ہوگا۔

سوال: اسلام کے مطابق کوئی عورت پیغمبر کیوں نہیں ہو سکتی؟

جواب: میری بہن نے سوال پوچھا ہے کہ اسلام میں کسی عورت کو پیغمبر کا درجہ کیوں نہیں ملا؟ اگر ''پیغمبر'' سے آپ کی مراد کوئی ایسی شخصیت ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا وحی نازل ہوتی ہو اور وہ کسی قوم کی رہنمائی بھی کرے تو پھر آپ کی بات درست ہے کہ اسلام میں ایسی کوئی خاتون پیغمبر موجود نہیں ہے۔ قرآن واضح طور پر بتاتا ہے کہ خاندان کا سربراہ مرد ہے۔ سو اگر خاندان اور گھر کا سربراہ مرد ہے تو پھر قوم کی سربراہی عورت کس طرح کر سکتی ہے؟

جیسا کہ میں نے پہلے بھی عرض کیا سربراہی کی صورت میں عورت کو امامت بھی کرنی پڑے گی۔ اگر ایک عورت امام ہے اور مقتدی مرد ہیں تو پھر ارکانِ نماز یعنی رکوع وسجود کے دوران لازماً نمازیوں کو پریشانی ہوگی۔ ایک پیغمبر کو عام لوگوں کے ساتھ مسلسل رابطے میں رہنا ہوتا ہے۔ لیکن اگر ایک عورت پیغمبر ہوتی تو اس کے لیے یہ ممکن نہ ہوتا۔ کیونکہ اسلام مرد وعورت کے آزادانہ اختلاط ہی کی اجازت نہیں دیتا۔ اسی طرح اگر ایک عورت پیغمبر ہو اور وہ حاملہ ہو جائے تو ظاہر ہے کہ کچھ عرصے تک وہ اپنے فرائض سرانجام نہیں دے سکے گی۔ ایک مرد کے لیے ایک ہی وقت میں بہ طور باپ اور بہ طور پیغمبر اپنی ذمہ داریاں نبھانا آسان تھا جب کہ عورت کے لیے ایسا کرنا بہت مشکل تھا۔

لیکن اگر پیغمبر سے آپ کی مراد کوئی مقدس اور متبرک ہستی ہے تو پھر ایسی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ بہترین مثال جو میں آپ کے سامنے پیش کر سکتا ہوں وہ حضرت مریم کی ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ان کے بارے میں فرماتا ہے:

﴿ وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ (۴۲:۳)

''اور جب فرشتوں نے (مریم سے) کہا، کہ مریم! اللہ نے تم کو برگزیدہ کیا ہے اور پاک بنایا ہے اور جہان کی عورتوں میں منتخب کیا ہے۔''

لہٰذا اگر آپ پیغمبر سے مراد اللہ کی منتخب کردہ کوئی برگزیدہ ہستی لیتے ہیں تو پھر حضرت مریم یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ مزید مثالیں بھی موجود ہیں۔

اگر آپ قرآن مجید کی سورۂ تحریم کا مطالعہ کریں تو آپ یہ آیت بھی دیکھیں گے:

﴿ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ﴾ (۱۱:۶۶)

''اور مومنوں کے لیے (ایک) مثال (تو) فرعون کی بیوی کی بیان فرمائی کہ اس نے اللہ سے التجا کی کہ اے میرے پروردگار! میرے لیے بہشت میں اپنے پاس ایک گھر بنا اور مجھے فرعون اور اس کے عمل سے نجات بخش اور ظالم قوم سے مجھ کو نجات دے۔''

ذرا اندازہ لگایئے حضرت آسیہ فرعون کی بیوی ہیں یعنی اپنے وقت کے طاقتور ترین شخص کی ملکہ اور وہ تمام آسائشوں اور سہولتوں کو ردّ کر کے جنت کے گھر کی دعا فرما رہی ہیں۔ اسلام میں حضرت مریم اور حضرت آسیہ علیہما السلام کے علاوہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جیسی برگزیدہ خواتین بھی موجود ہیں۔

میں اُمید رکھتا ہوں کہ آپ کو اپنے سوال کا جواب مل چکا ہوگا۔

سوال: آپ نے کہا کہ اسلام میں زیادہ سے زیادہ چار شادیوں کی اجازت ہے تو پھر پیغمبر اسلام ﷺ نے گیارہ شادیاں کیوں کیں؟

جواب: بھائی نے سوال پوچھا ہے کہ اسلام میں تو زیادہ سے زیادہ چار شادیوں کی اجازت ہے تو پھر رسول کریم ﷺ نے گیارہ شادیاں کیوں کیں؟

بھائی کی یہ بات بالکل درست ہے کہ اسلام میں زیادہ سے زیادہ چار شادیاں کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔

سورۂ نساء میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ﴾

(۴:۳)

"تو جو عورتیں تم کو پسند آئیں ان میں سے دو دو، تین تین، چار چار سے نکاح کرلو۔"

لیکن سورۂ احزاب میں اللہ تعالیٰ کا یہ حکم بھی ملتا ہے:

﴿ لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا ﴾ (۳۳:۵۲)

"(اے نبی ﷺ) اس کے بعد تمہارے لیے دوسری عورتیں حلال نہیں ہیں اور نہ اُس کی اجازت ہے کہ ان کی جگہ اور بیویاں لے آؤ، خواہ ان کا حسن تمہیں کتنا ہی پسند ہو، البتہ لونڈیوں کی تمہیں اجازت ہے۔ اللہ ہر چیز پر نگران ہے۔"

قرآنِ مجید کی یہ آیت حضور اکرم ﷺ کو اپنی تمام موجود بیویاں رکھنے کی اجازت دے رہی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی مزید نکاح کرنے سے روک بھی رہی ہے۔ علاوہ لونڈیوں کے۔

پیغمبرِ اسلام ﷺ نہ صرف یہ کہ مزید شادیاں نہیں کر سکتے تھے بلکہ ان بیویوں کو بھی

طلاق نہیں دے سکتے تھے۔ نبی کریم ﷺ کی بیویاں مسلمانوں کی مائیں یعنی امہات المؤمنین ہیں۔ لہٰذا رسول اکرم ﷺ کے وصال کے بعد بھی کوئی ان سے شادی نہیں کر سکتا تھا۔

اگر آپ رسولِ خدا ﷺ کی تمام شادیوں کا جائزہ لیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ شادیاں یا تو معاشرتی اصلاحات کے لیے کی گئی تھیں اور یا سیاسی وجوہات سے۔ اپنی خواہش کی تسکین کے لیے یہ شادیاں ہرگز نہیں کی گئیں تھیں۔

آپ ﷺ نے پہلا نکاح حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کیا۔ اس وقت نبی کریم ﷺ کی اپنی عمر ۲۵ سال تھی، جب کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۴۰ سال تھی۔ جب تک حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا حیات رہیں، آپ ﷺ نے دوسرا نکاح نہیں فرمایا۔ آنحضور ﷺ کی عمر ۵۰ سال تھی، جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا۔

اپنی عمر کے ۵۳ ویں سال سے ۵۶ سال کے درمیان آپ ﷺ نے تمام نکاح فرمائے۔ اگر ان شادیوں کی وجوہات جنسی ہوتیں تو آپ ﷺ نوجوانی میں زیادہ نکاح فرماتے۔ کیونکہ علم طب تو یہ کہتا ہے کہ عمر بڑھنے کے ساتھ جنسی خواہش گھٹتی چلی جاتی ہے۔

صرف دو نکاح ایسے ہیں جو آپ ﷺ نے اپنی مرضی سے فرمائے۔ حضرت خدیجہ کے ساتھ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ۔ باقی تمام نکاح حالات کے پیش نظر اور سیاسی معاشرتی اصلاح کے لیے کیے گئے تھے۔

صرف دو امہات المؤمنین کے علاوہ باقی سب کی عمریں ۳۶ اور ۵۰ سال کے درمیان تھیں۔ ہر نکاح کی وجوہات اور اسباب بیان کیے جا سکتے ہیں۔

مثال کے طور پر حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کا معاملہ دیکھیے۔ آپ کا تعلق قبیلہ بنی مصطلق سے تھا۔ اس قبیلے کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات بہت خراب تھے۔ یہاں تک کہ مسلمانوں نے ان پر حملہ کر کے انھیں شکست دی۔ اس کے بعد جب حضور اکرم ﷺ نے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کر لیا تو مسلمانوں نے قبیلۂ بنی مصطلق کے تمام قیدیوں کو یہ کہہ کر رہا

کر دیا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے رشتہ داروں کو کس طرح قید رکھ سکتے ہیں؟ اس واقعے کے بعد اس قبیلہ کے تعلقات مسلمانوں کے ساتھ بہت اچھے ہو گئے۔

اسی طرح حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا قبیلہ نجد کے سردار کی بہن تھیں۔ یہ وہی قبیلہ ہے جس نے مسلمانوں کے ایک ۷۰ افراد پر مشتمل وفد کو شہید کر دیا تھا۔ یہ قبیلہ مسلمانوں کے شدید ترین مخالفین میں شمار ہوتا تھا لیکن اس شادی کے بعد اس قبیلہ نے مدینے کو اپنا مرکز اور رسولِ خدا ﷺ کو اپنا رہنما تسلیم کر لیا۔

ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا مکہ کے سردار ابو سفیان کی صاحبزادی تھیں۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ اس نکاح نے فتح مکہ کے حوالے سے اہم کردار ادا کیا۔

ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ایک اہم یہودی سردار کی بیٹی تھیں۔ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان سے نکاح کر لینے کے بعد مسلمانوں کے تعلقات یہودیوں کے ساتھ خوشگوار ہو گئے تھے۔

اسی طرح آپ ﷺ نے مختلف سیاسی اور معاشرتی وجوہات کے پیش نظر یہ نکاح فرمائے۔ حضرت زینب کے ساتھ شادی یہ غلط تصور ختم کرنے کے لیے کی گئی کہ متبنّٰی اصل بیٹے کی طرح ہوتا ہے اور اس کی مطلقہ کے ساتھ شادی نہیں ہو سکتی۔

اسی طرح رسول اکرم ﷺ کی تمام شادیوں کا جائزہ لینے کے بعد یہ حقیقت سامنے آ جاتی ہے کہ آپ ﷺ نے یہ نکاح جنسی خواہش کی وجہ سے ہرگز نہیں کیے تھے۔

میں اُمید رکھتا ہوں کہ سوال کا جواب مل چکا ہوگا۔

سوال: اسلام مرد کو ایک سے زاید شادیوں کی اجازت دیتا ہے تو اس میں عورت کا کیا فائدہ ہے؟

جواب: آپ نے سوال پوچھا ہے کہ مرد کو زیادہ شادیوں کے اجازت دینے میں عورت کا کیا فائدہ ہے۔ عورت کا فائدہ یہ ہے کہ اس طرح وہ پاک باز رہتی ہے۔ کیونکہ جیسا

کہ میں نے پہلے عرض کیا کہ اگر ہر مرد صرف ایک شادی کرے تو لاکھوں عورتیں غیر شادی شدہ رہ جائیں گی۔ کیونکہ انھیں کوئی غیر شادی شدہ مرد نہیں مل سکے گا۔

اس طرح ان خواتین کے پاس سوائے عوامی ملکیت بن جانے کے کوئی راستہ باقی نہیں بچے گا۔ اسی لیے اسلام نے ایک سے زیادہ شادیوں کی اجازت دی ہے تاکہ خواتین کی عفت محفوظ رہ سکے۔ اور انھیں بدکرداری سے محفوظ رکھا جا سکے۔

....

سوال: کیا اسلام میں بچے کو گود لینے کی اجازت ہے؟

جواب: بھائی پوچھتے ہیں کہ کیا اسلام میں بچے کو گود لینے Adoption کی اجازت ہے یا نہیں۔ اگر تو گود لینے سے مراد یہ ہے کہ آپ ایک غریب اور بے سہارا بچے کا سہارا بنیں اور اس کو روٹی کپڑا مکان مہیا کریں تو یقیناً اسلام اس کے حق میں ہے بلکہ قرآن میں غریب اور ضرورت مند لوگوں کی مدد پر بڑا زور دیا گیا ہے۔

اگر آپ اس طرح کسی بچے کے لیے پدرانہ شفقت کا مظاہرہ کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے کام آنا چاہتے ہیں تو اسلام اس کی حوصلہ افزائی کرتا ہے لیکن جہاں تک تعلق ہے قانونی طور پر متبنّیٰ کرنے کی تو اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ آپ قانونی طور پر اس بچے کی ولدیت کے خانے میں اپنا نام نہیں لکھوا سکتے۔ اس بات کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ قانونی طور پر اس بچے کو آپ کی اولاد قرار دے دینے کے نتیجے میں بہت سی پیچیدگیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ اس بچے یا بچی کی اپنی شناخت بالکل ختم ہو جائے گی۔

دوسری بات یہ کہ اگر آپ بے اولادی کی وجہ سے بچے کو گود لیتے ہیں اور اس کے بعد آپ کی اپنی اولاد پیدا ہو جاتی ہے تو اس گود لیے ہوئے بچے کے ساتھ آپ کے رویے میں تبدیلی آ جائے گی۔

تیسری بات یہ کہ اگر آپ کی اپنی اولاد اور متبنّیٰ بچے کی جنس مختلف ہے تو پھر ایک ہی

گھر میں رہتے ہوئے بھی مشکلات پیش آئیں گی کیونکہ وہ بہر حال حقیقی بہن بھائی تو نہیں ہیں۔ اسی طرح بالغ ہو جانے کے بعد مسائل مزید پیچیدہ ہو جائیں گے، کیونکہ اگر وہ لڑکا ہے تو گھر کی خواتین کو پردہ کرنا پڑے گا۔ اور اگر لڑکی ہے تو اسے اپنے نام نہاد باپ سے بھی پردہ کرنا پڑے گا کیونکہ وہ اس کا حقیقی باپ تو نہیں ہے۔

مزید براں اس طرح وراثت کے مسائل بھی پیدا ہوں گے۔ وفات کے بعد فوت ہونے والے کی تمام جائداد اُس قانون کے مطابق تقسیم کی جاتی ہے جو قرآن میں بیان کر دیا گیا ہے۔ اگر گود لیے ہوئے بچے کو یہ مال ملتا ہے تو گویا دیگر رشتہ داروں کا حق مارا جاتا ہے۔

اگر گود لینے والے شخص کی اپنی اولاد بھی موجود ہے تو پھر اس اولاد کا حق مارا جائے گا اور اگر اولاد نہیں ہے تو بیوی اور دیگر رشتہ داروں کا۔

اسی پیچیدگی سے بچنے کے لیے اسلام نے بچوں کو قانونی طور پر گود لینے کی اجازت نہیں دی ہے۔

سوال: آپ نے اپنی تقریر کے دوران کہا کہ طلاق کے بعد جب تک عورت کی عدت پوری نہیں ہوتی، شوہر عورت کے نان ونفقہ مہیا کرنے کا ذمہ دار ہے۔ سوال یہ ہے کہ عدت کے بعد عورت کے اخراجات کا ذمہ دار کون ہوگا؟

جواب: میری بہن نے بہت اچھا سوال پوچھا ہے۔ طلاق کی صورت میں دورانِ عدت یہ مرد کا فرض ہے کہ وہ عورت کے اخراجات برداشت کرے اور اسے نان ونفقہ فراہم کرے۔ یہ مدت غالباً تین ماہ یا اگر عورت حاملہ ہے تو وضع حمل تک ہے۔

جیسا کہ میں نے اپنی گفتگو میں کہا کہ یہ باپ اور بھائی کی ذمہ داری ہے کہ وہ عورت کو تمام ضروریاتِ زندگی فراہم کریں۔

اگر بالفرض والدین اور بھائی یہ فرض ادا نہیں کر سکتے تو اس صورت میں یہ دیگر قریبی رشتہ داروں کا فرض بنتا ہے۔ اور اگر کسی وجہ سے وہ بھی ایسا نہیں کر سکتے تو اس صورت میں یہ

مسلم امت کا فریضہ بن جاتا ہے۔ بحیثیت مسلمان یہ ہم سب کی ذمہ داری بن جاتی ہے کہ ایسے ادارے تشکیل دیں اور زکوٰۃ کی تقسیم کا ایسا نظام بنائیں کہ ان خواتین کو بنیادی ضروریات کی فراہمی یقینی بنائی جاسکے۔

امید ہے کہ سوال کا جواب مل چکا ہوگا۔

سوال: آپ نے اپنی گفتگو کے دوران کہا کہ مرد اور عورت برابر ہیں۔ اگر ایسا ہے تو پھر دونوں کو جائداد میں برابر حصہ کیوں نہیں ملتا؟

جواب: بھائی کا سوال یہ ہے کہ اپنی گفتگو کے دوران میں نے کہا تھا کہ اسلام میں مرد اور عورت کو مساوی معاشی حقوق حاصل ہیں۔ اگر ایسا ہے تو وراثت کی تقسیم کے وقت اسے برابر حصہ کیوں نہیں ملتا؟ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ عورت کا حصہ مرد سے آدھا ہے۔

اس سلسلے میں قرآنِ مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

''خدا تمہاری اولاد کے بارے میں تم کو ارشاد فرماتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے اور اگر اولادِ میت صرف لڑکیاں ہی ہوں یعنی (دو یا) دو سے زیادہ تو کل ترکے میں سے ان کا دو تہائی اور اگر صرف ایک لڑکی ہو تو اس کا حصہ نصف۔ اور میت کے ماں باپ کا یعنی دونوں میں سے ہر ایک کا ترکے میں چھٹا حصہ بشرطیکہ میت کے اولاد ہو اور اگر اولاد نہ ہو اور صرف ماں باپ ہی اس کے وارث ہوں تو ایک تہائی ماں کا حصہ اور اگر میت کے بھائی بھی ہوں تو ماں کا چھٹا حصہ (اور یہ تقسیم ترکہ میت کی) وصیت (کی تعمیل) کے بعد جو اس نے کی ہو یا قرض کے (ادا ہونے کے بعد جو اس کے ذمے ہو عمل میں آئے گی) تم کو معلوم نہیں کہ تمہارے باپ دادوں اور بیٹوں پوتوں میں سے فائدے کے لحاظ سے کون تم سے زیادہ قریب ہے۔ یہ حصے خدا کے مقرر کیے ہوئے ہیں اور خدا سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔'' (۱۲،۱۱:۴)

مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ بیش تر صورتوں میں عورت کا آدھا حصہ ہوتا ہے۔ لیکن ہر صورت میں ایسا نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر؛

دونوں کو ہی چھٹا حصہ ملتا ہے۔ اگر مرنے والے کی کوئی اولاد نہ ہو تو ماں اور باپ دونوں کو ہی چھٹا حصہ ملتا ہے۔ بعض اوقات، اگر مرنے والی خاتون ہو، اس کی اولاد بھی نہ ہو تو اس کے شوہر کو نصف، ماں کو تیسرا حصہ اور باپ کو چھٹا حصہ ملتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ بعض صورتیں ایسی بھی ہیں جن میں عورت کا حصہ مرد سے دوگنا ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ اس مثال میں ماں کا حصہ باپ کے مقابلے میں دگنا ہے۔

لیکن میں آپ سے اتفاق کرتا ہوں کہ بیش تر صورتوں میں عورتوں کا حصہ مردوں کے مقابلے میں آدھا ہی ہوتا ہے۔ لیکن اس کی وجہ یہ ہے اسلام میں معاشی ذمہ داریاں مرد پر ڈالی گئی ہیں اور انصاف کے تقاضے پورے کرنے کے لیے مرد کا حصہ زیادہ رکھا گیا ہے۔ خاندان کے تمام معاشی اخراجات پورے کرنے کی وجہ سے ضروری ہے کہ عورت کے مقابلے میں مرد کو زیادہ حصہ ملے۔ بصورتِ دیگر یہ ہوگا کہ ہمیں ''مرد کے حقوق'' پر بھی لیکچر دینے پڑیں گے۔

میں یہاں ایک مثال پیش کرنا چاہوں گا۔ فرض کیجیے ایک صاحب فوت ہوئے۔ ان کی جائداد میں سے باقی تمام حقوق ادا کرنے کے بعد بچوں کے حصہ میں ڈیڑھ لاکھ روپے آتے ہیں۔ اس شخص کا ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہے۔ اسلامی شریعت کی رو سے بیٹے کو ایک لاکھ اور بیٹی کو پچاس ہزار ملیں گے۔ لیکن بیٹے پر ایک پورے خاندان کی معاشی ذمہ داریاں ہیں۔ لہٰذا اسے اس میں ایک لاکھ کا بیشتر حصہ مثال کے طور پر ۸۰ ہزار یا شاید پورا ایک لاکھ ہی ان ذمہ داریوں کی وجہ سے خرچ کرنا پڑ جائے گا۔ دوسری طرف خاتون کو پچاس ہزار ملیں گے لیکن یہ ساری رقم اسی کے پاس رہے گی کیونکہ اس پر ایک پائی کی بھی ذمہ داری نہیں ہے۔ لہٰذا اسے خاندان پر کچھ بھی خرچ کرنے کی ضرورت نہیں۔

....

سوال: آپ نے اپنی گفتگو کے دوران فرمایا کہ اگر کسی لڑکی کی شادی زبردستی کردی جائے تو ایسی شادی کو فسخ کیا جاسکتا ہے۔ میں پوچھنا چاہتی ہوں کہ کیا کوئی ایسا ادارہ موجود ہے جو اس سلسلے میں بااختیار ہو اور کوئی لڑکی اپنے حقوق کے سلسلے میں اس سے رجوع کرسکے؟

جواب: بہن نے بہت اچھا سوال پوچھا ہے۔ ان کا سوال خواتین کے حقوق سے متعلق ہے۔ قرآن و حدیث سے یہ بات بالکل واضح طور پر سامنے آجاتی ہے کہ اگر کسی خاتون کی شادی زبردستی کردی جائے تو ایسی شادی کالعدم قرار دی جاسکتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا دورِ حاضر میں کوئی ایسا ادارہ موجود ہے جو اس طرح کی شادی کو کالعدم قرار دے سکے۔ ایسے ادارے کئی ممالک میں موجود ہیں مثال کے طور پر ایران اور سعودی عرب میں۔ لیکن بدقسمتی سے ہندوستانی حکومت مسلمانوں کو ایسی عدالتیں بنانے کی اجازت نہیں دیتی۔ اگرچہ یہاں ''مسلم پرسنل لا'' موجود ہے لیکن اس میں تمام حقوق شامل نہیں ہیں۔

اگر ہندوستانی حکومت سے درخواست کی جائے اور وہ اجازت دے تو یہاں بھی ایسے ادارے قائم ہوسکتے ہیں۔ فی الحال تو محدود حقوق ہی حاصل ہیں۔ تمام حقوق نہیں دیے گئے۔

سوال: اسلام مردوں اور عورتوں کو مل جل کر کام کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اس رویے کو آپ جدید قرار دیں گے یا فرسودہ؟ اور سوال کا دوسرا حصہ یہ ہے کہ کیا عورت ایئر ہوسٹس کی نوکری کرسکتی ہے؟ یہ ایک اچھی اور زیادہ تنخواہ والی نوکری ہے۔

جواب: جہاں تک سوال کے پہلے حصے کا تعلق ہے کہ اسلام عورتوں اور مردوں کے آزادانہ اختلاط کی اجازت نہیں دیتا۔ کیا یہ رویہ جدید ہے یا فرسودہ؟ تو عرض یہ ہے کہ اگر جدت سے آپ کی مراد یہ ہے کہ دونوں جنسوں کے اختلاط کی اجازت دے دی جائے، عورت کو خرید و فروخت کی شے بنا کر رکھ دیا جائے اور اسے ماڈلنگ جیسے پیشوں سے وابستہ کردیا جائے تو پھر میرا خیال ہے کہ اسلام فرسودہ ہی ہے۔

کیونکہ مغربی میڈیا ظاہر تو یہ کرتا ہے کہ مغربی کلچر میں عورت کو زیادہ حقوق دیے گئے ہیں لیکن حقیقتاً وہاں عورت کے مقام و مرتبے میں اضافہ کرنے کی بجائے اس کا استحصال ہو رہا ہے۔

اعداد و شمار ہمیں بتاتے ہیں کہ یونیورسٹیوں میں جانے والی اور کام کرنے والی خواتین میں سے پچاس فی صد کے ساتھ زیادتی ہوتی ہے۔ پچاس فی صد خواتین یعنی آدھی خواتین کے ساتھ۔ آپ جانتے ہیں کیوں؟

اس لیے کہ وہاں عورت اور مرد کے آزادانہ اختلاط کی اجازت ہے۔ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ عورتوں کے ساتھ زنا بالجبر کی اجازت دینا جدت ہے تو پھر اسلام فرسودہ ہی ہے۔ اور اگر آپ ایسا نہیں سمجھتے تو پھر اسلام جدید ترین مذہب ہے۔

اب آتے ہیں سوال کے دوسرے حصے کی طرف۔ کیا اسلام عورت کو ایئر ہوسٹس کے طور پر نوکری کرنے کی اجازت دیتا ہے؟ کیونکہ یہ ایک زیادہ تنخواہ والی اور مناسب نوکری ہے۔ میں پہلی بات سے تو اتفاق کرتا ہوں کہ واقعی یہ ایک زیادہ تنخواہ والی نوکری ہے لیکن جہاں تک دوسری بات کا تعلق ہے یعنی یہ کہ ''یہ ایک اچھی اور مناسب نوکری ہے'' تو اس کا ہمیں تجزیہ کرنا چاہیے۔

ایئر ہوسٹس کا انتخاب بنیادی طور پر ''حسن'' کے حوالے سے ہوتا ہے۔ آپ نے کبھی کوئی بدصورت ایئر ہوسٹس نہیں دیکھی ہوگی۔ انھیں اس لیے منتخب کیا جاتا ہے کہ وہ خوبصورت، اس لیے کہ وہ جوان ہیں، اس لیے کہ وہ جاذب نظر ہیں۔

انھیں ایسا لباس پہننے کا پابند کیا جاتا ہے جو اسلامی اخلاقیات کے مطابق نہیں ہوتا۔ انھیں آرایش و زیبایش کا بھی پابند کیا جاتا ہے تاکہ وہ مسافروں کو راغب کر سکیں۔ انھیں مسافروں کی بعض ضروریات پوری کرنی ہوتی ہیں اور یہ مسافر بالعموم مرد ہوتے ہیں۔ اس طرح عورت اور ایک دوسرے کے قریب آتے ہیں اور بعض اوقات یہ مسافر ایئر ہوسٹسوں کو تنگ بھی کرتے ہیں لیکن وہ انھیں کوئی سخت جواب نہیں دے سکتی کیونکہ یہ اس کی نوکری کا

تقاضا ہے۔ مثال کے طور پر اگر مسافر کہے ''محترمہ ذرا میری سیٹ بیلٹ تو باندھ دیجیے'' تو ظاہر ہے کہ ایئر ہوسٹس کو باندھنا ہوگی۔

بیش تر فضائی کمپنیاں اپنی پروازوں کے دوران شراب بھی پیش کرتی ہیں اور اسلام میں نہ صرف شراب کا پینا حرام ہے بلکہ اس کا پیش کرنا بھی حرام ہے۔

تمام فضائی میزبان خواتین ہی ہوتی ہیں۔ مرد حضرات یعنی ''پرسز جہاز میں موجود ہوتے ہیں لیکن وہ کچن وغیرہ میں رہتے ہیں یعنی جہاز میں الٹا ہی نظام چلتا ہے۔ مرد باورچی خانے میں اور عورت مسافروں کی خدمت کر رہی ہے۔

آپ یقین کیجیے کہ اب خواتین کے بغیر کسی ایئر لائین کا گزارا ہی نہیں یہاں تک کہ سعودی ایئر لائن جسے سب سے زیادہ اسلامی ''فرض کیا جاتا ہے'' اس کا بھی یہی حال ہے۔ لیکن چونکہ وہ سعودی لڑکیاں بھرتی نہیں کر سکتے لہٰذا یہ کرتے ہیں کہ لڑکیاں درآمد کرتے ہیں اور غیر ملکی لڑکیوں کو بھرتی کرتے ہیں۔

یہ دُہرا معیار ہے۔ اور یہ دُہرا معیار اس لیے اپنایا گیا ہے کہ فضائی سفر کے کاروبار میں اس کے بغیر گزارا نہیں۔ اس کاروبار میں مسافروں کو راغب کرنے کے لیے خوبصورت خواتین کو سامنے لانا پڑتا ہے۔

اور آپ کو شدید صدمہ پہنچے گا، اگر آپ کو فضائی کمپنیوں کے کچھ اصول وضوابط کا پتہ چل جائے۔ مثال کے طور پر انڈین ایئر لائن اور ایئر انڈیا دونوں کا اصول یہ ہے کہ منتخب ہونے کے بعد کوئی ایئر ہوسٹس چار برس تک شادی نہیں کر سکتی۔ بعض ایئر لائنز تو یہ بھی کہتی ہیں کہ حاملہ ہونے کی صورت میں نوکری ختم ہو جائے گی۔ اور ۳۵ سال کی عمر میں انھیں ریٹائر کر دیا جاتا ہے کیونکہ ان کی جاذبیت کم ہو جاتی ہے۔

کیا آپ اسے ایک اچھی اور مناسب نوکری کہتے ہیں؟

سوال: کیا اسلام مخلوط تعلیم کی اجازت دیتا ہے؟

جواب: میرے بھائی نے پوچھا ہے کہ کیا اسلام میں مخلوط تعلیم کی اجازت ہے؟ یعنی کیا لڑکے اور لڑکیاں ایک ہی سکول، کالج یا یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کر سکتے ہیں؟

پہلے ہم سکول کا معاملہ لیتے ہیں اور تجزیہ کرتے ہیں کہ کیا لڑکے لڑکیوں کا ایک ہی سکول میں پڑھنا مناسب ہے۔ پچھلے سال ہی ایک رپورٹ چھپی ہے۔ یہ رپورٹ ''The World This Week.'' نامی رسالے میں شایع ہوئی ہے۔ اس رپورٹ میں مخلوط اور جداگانہ تعلیم والے سکولوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ رپورٹ برطانیہ کے سکولوں کے بارے میں ہے۔

اس سروے میں بتایا گیا ہے کہ مجموعی طور پر جداگانہ تعلیم والے اداروں کے نتائج مخلوط تعلیم والے سکولوں کے مقابلے میں بہت بہتر تھے۔ جب اس سلسلے میں اساتذہ سے بات چیت کی گئی تو انھوں نے بتایا کہ جداگانہ تعلیم والے اداروں میں طالب علم تعلیم پر زیادہ توجہ دیتے ہیں۔ جب طالب علموں سے پوچھا گیا کہ تو انھوں نے مخلوط سکولوں میں پڑھنے کو ترجیح دی، جس کی وجہ صاف ظاہر ہے۔

اس رپورٹ میں مزید بتایا گیا کہ مخلوط اداروں میں پڑھنے والے بچے زیادہ وقت جنس مخالف کی توجہ حاصل کرنے میں صرف کرتے ہیں۔ ان کی زیادہ توجہ جنس مخالف کے ساتھ تعلق بنانے پر ہوتی ہے نہ کہ تعلیم پر۔

یہ بھی بتایا گیا کہ برطانوی حکومت جداگانہ اداروں کی تعداد بڑھانے پر غور کر رہی ہے۔ امریکہ کے بارے میں ایک رپورٹ سے پتہ چلتا ہے کہ لڑکیاں حصول علم پر کم اور اپنے ہم جماعتوں سے جنسی معلومات حاصل کرنے پر زیادہ وقت صرف کر رہی ہیں۔

ہندوستان میں بھی صورتِ حال بیش و کم ایسی ہی ہے۔

جب آپ کالجوں اور یونیورسٹیوں کا جائزہ لیتے ہیں تو جو نکات آپ کو سکولوں کے بارے میں بتائے گئے وہ زیادہ شدت کے ساتھ نظر آتے ہیں۔

مارچ ۱۹۸۰ء میں نیوز ویک میں شایع ہونے والی ایک رپورٹ میں یونیورسٹیوں میں

خواتین پر ہونے والے جنسی حملوں کے اعداد و شمار دیے گئے ہیں۔ میں وقت کی کمی کی وجہ سے اس رپورٹ کی تمام تفاصیل آپ کے سامنے پیش نہیں کرسکوں گا لیکن اس رپورٹ کی بنیادی بات یہ تھی کہ اساتذہ نے، پروفیسروں اور لیکچراروں نے بہتر نمبروں کا لالچ دے کر طالبات کا جنسی استحصال کیا۔

یہ تو نیوز ویک کی رپورٹ تھی۔ ہندوستان میں بھی یہی کچھ ہو رہا ہے۔ اور ظاہر ہے اس صورتِ حال میں اچھی تعلیم حاصل کرنے کے امکانات کم ہو جاتے ہیں۔ پچھلے سال ایسی ہی ایک خبر اخبارات میں نمایاں طور پر شایع ہوئی۔ مجھے کالج کا نام یاد نہیں۔ ایک طالبہ کے ساتھ چار پانچ طالب علموں نے دن دیہاڑے، کالج کی حدود میں زیادتی کی۔ اسی طرح پرسوں ایک رپورٹ ٹائمز آف انڈیا میں شایع ہوئی۔ یہ اصل میں نیویارک ٹائمز کی رپورٹ ہے جسے ٹائمز آف انڈیا میں نقل کیا گیا ہے۔

اس رپورٹ کے مطابق امریکہ میں سکول اور یونیورسٹی جانے والی ۲۵ فیصد طالبات زنا بالجبر کا شکار ہوتی ہیں۔

میں یہ پوچھنا چاہوں گا کہ آپ اپنے بچوں کو درسگاہوں میں علم حاصل کرنے کے لیے بھیجنا چاہتے ہیں یا اس لیے کہ وہ جنسی استحصال کا شکار ہوں؟ اگر آپ کا مقصد حصولِ علم ہے تو پھر میں آپ کو یہی مشورہ دوں گا کہ انھیں ایسے اداروں میں بھیجیں جہاں جداگانہ طرزِ تعلیم ہے مخلوط نہیں۔ اور ایسے ادارے بہت ہیں۔

سوال: آپ کی گفتگو سے پتہ چلا کہ قرونِ اُولیٰ میں بہت سے عالم خواتین موجود تھیں لیکن میرا سوال یہ ہے کہ آج کتنی خواتین علما ہیں جو قرآن و حدیث کی تفسیر کرسکتی ہیں، اور مرد علما کے مقابلے میں ان کا تناسب کیا ہے؟ اگر ایسی خواتین ہوتیں تو تسلیمہ نسرین کے حق میں بولتیں؟

جواب: آپ کو میری اس بات سے تو اتفاق ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے عہد مبارک

میں عالم خواتین موجود تھیں۔ جو نہ صرف قرآن و حدیث کی وضاحت کرتی تھیں بلکہ انھیں احادیث یاد بھی تھیں۔ صرف ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دو ہزار دو سو دس احادیث روایت کی گئی ہیں۔ لیکن آپ کا سوال یہ ہے کہ دورِ حاضر میں کتنی عالم خواتین موجود ہیں۔ آپ اُن کا تناسب بھی جاننا چاہتے ہیں۔

عالم خواتین اچھی خاصی تعداد میں موجود ہیں۔ اور متعدد ایسے ادارے ہیں جہاں خواتین دینی علوم حاصل کر رہی ہیں۔ مثال کے طور پر ممبئ میں اور دار العلوم ندوۃ العلما میں، دار العلوم اصلاح البنات میں خواتین دینی علوم حاصل کر رہی ہیں اور عالم خواتین سامنے آ رہی ہیں۔ ان کے تناسب اور فی صد تعداد کا تو مجھے علم نہیں ہے لیکن بہر حال عالمہ خواتین کی تعداد سیکڑوں میں ہے۔

جہاں تک سوال کے دوسرے حصے کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ کیا تسلیمہ نسرین کی حمایت کی جا سکتی ہے؟ تسلیمہ نسرین کے معاملے پر میں ایک مباحثے میں حصہ لے چکا ہوں جس میں میرے علاوہ ڈاکٹر ویاس فادر پریرا اور اشوک شاہانی شامل تھے جنھوں نے " لجا " کا مراٹھی زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ بہت سے لوگوں نے مجھے اس مباحثے میں شریک ہونے سے منع کیا اور کہا کہ میری باتوں کو غلط معنی پہنائے جائیں گے۔ میں شش و پنج میں تھا لیکن پھر میرے والد نے مجھے کہا کہ "اللہ کا نام لو اور جاؤ۔" میں وہاں گیا اور الحمد للہ، محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ مباحثہ نہایت کامیاب رہا۔ یہ مباحثہ اس قدر کامیاب رہا کہ کسی ایک اخبار میں بھی اس کی خبر شایع نہیں ہوئی۔ کیا آپ یقین کریں گے کہ کسی ایک اخبار نے بھی اس مباحثے کی رپورٹ شایع نہیں کی۔ حالانکہ ٹائمز آف انڈیا کے نمائندے وہاں موجود تھے، انڈین ایکسپریس کے نمائندے اور متعدد دیگر اخبارات اور خبر رساں اداروں کے نمائندے موجود تھے۔ لیکن کسی نے بھی رپورٹنگ نہیں کی کیوں؟ اس لیے کہ میں نے وہ سب کچھ نہیں کہا جو وہ سننا چاہتے تھے۔ اگر میں وہ سب کچھ کہتا تو اگلے دن بڑی بڑی سرخیاں لگتیں کہ مشہور اسلامی دانشور ڈاکٹر ذاکر نائیک نے یہ کہا اور وہ کہا

لیکن چونکہ ایسا نہیں ہوا لہٰذا کوئی خبر نہیں لگی۔

....

سوال: میں پوچھنا چاہتی ہوں کہ اسلام میں صرف شوہر ہی کو طلاق دینے کا حق کیوں دیا گیا ہے؟ عورت کو یہ حق کیوں حاصل نہیں؟

جواب: بہن نے سوال پوچھا ہے کہ مرد کو تو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے سکے۔ لیکن کیا عورت کو بھی یہ حق ہے کہ وہ طلاق دے سکے؟ اس سوال کا جواب یہی ہے کہ عورت طلاق نہیں دے سکتی۔ طلاق عربی کا لفظ ہے اور یہ اسی موقع کے لیے خاص ہے جب شوہر اپنی بیوی سے علیحدگی اختیار کرے۔ اسلام میں میاں بیوی کی علیحدگی کے پانچ طریقے ہیں۔

پہلا طریقہ تو باہمی رضا مندی کا ہے۔ اگر دونوں فریق یہ فیصلہ کرلیں کہ بس ہم اور اکٹھے نہیں چل سکتے اور ہمیں علیحدہ ہو جانا چاہیے تو وہ اس رشتے کو ختم کر سکتے ہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ شوہر اپنی مرضی سے بیوی کو چھوڑ دے۔ اسے طلاق کہتے ہیں۔ اس صورت میں اس مہر سے دستبردار ہونا پڑتا ہے اور اگر ابھی تک ادا نہیں کیا گیا تو ادا کرنا پڑتا ہے۔ اور جو کچھ وہ تحایف کی صورت میں دے چکا ہے وہ بھی بیوی ہی کی ملکیت رہتا ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ عورت اپنی مرضی سے نکاح کو ختم کرنے کا اعلان کردے۔ جی ہاں۔ بیوی بھی اس طرح کر سکتی ہے اگر یہ بات معاہدہ نکاح میں طے ہو جائے کہ بیوی کو بھی یہ حق ہوگا۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ اگر بیوی کو شوہر سے شکایات ہوں کہ وہ اس سے برا سلوک کرتا ہے یا اس کے حقوق ادا نہیں کرتا یا اس کے اخراجات کے لیے وسائل فراہم نہیں کرتا تو وہ عدالت میں جا سکتی ہے اور قاضی ان کا نکاح فسخ کر سکتا ہے۔ اس صورت میں وہ شوہر کو مہر کی پوری، یا جزوی ادائیگی کا حکم بھی دے سکتا ہے۔

پانچویں اور آخری قسم خلع ہے۔ اگر بیوی محض ذاتی ناپسندیدگی کے باعث علیحدگی چاہتی ہے۔ شوہر میں کوئی خرابی نہیں مگر وہ پھر بھی علیحدہ ہونا چاہتی ہے تو وہ خود علیحدگی کی درخواست کر سکتی ہے۔ اسے خلع کہتے ہیں۔ لیکن اس سلسلے میں بہت کم گفتگو کی جاتی ہے۔

بہر حال اسلام میں علیحدگی کی یہی اقسام ہیں۔ امید ہے آپ کو اپنے سوال کا جواب مل چکا ہوگا۔

سوال: خواتین کو مسجد میں جانے کی اجازت کیوں نہیں ہے؟

جواب: سوال یہ پوچھا گیا ہے کہ خواتین کو مسجد میں جانے کی اجازت کیوں نہیں ہے اور یہ ایک مشکل سوال ہے کیونکہ پورے قرآن میں کسی بھی جگہ خواتین کو مساجد میں جانے سے منع نہیں کیا گیا۔ اور نہ ہی احادیث میں خواتین کو مسجد میں نماز پڑھنے سے روکا گیا ہے۔

بعض لوگ ایک خاص حدیث کا حوالہ دیتے ہیں جس میں پیغمبر اسلام ﷺ نے فرمایا کہ؛ عورت کے لیے مسجد میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے کہ وہ گھر میں نماز پڑھے اور گھر کے صحن میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے کہ کمرے میں پڑھے۔ لیکن یہ لوگ صرف ایک حدیث پر زور دے رہے ہیں اور باقی تمام احادیث کو نظر انداز کر رہے ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے کا ثواب ۲۷ گنا زیادہ ہے۔ ایک خاتون نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہمارے شیر خوار بچے ہیں اور ہمیں گھر کا کام کاج کرنا ہوتا ہے ہم کس طرح مسجد میں آ سکتی ہیں۔ تو جواب میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عورت کے لیے مسجد کی بہ نسبت گھر میں اور گھر کے صحن کی بہ نسبت کمرے میں نماز پڑھنا بہتر ہے۔ اگر اس کے بچے چھوٹے ہیں یا کوئی اور مسئلہ ہے تو اسے وہی ثواب ملے گا جو مسجد میں نماز پڑھنے کا ہے۔

متعدد احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ خواتین کو مسجد میں آنے سے منع نہیں کیا گیا۔ ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ "اللہ کی بندیوں کو مسجد میں آنے سے نہ روکو" ایک اور حدیث کا مفہوم

ہے:

"رسول اللہ ﷺ نے شوہروں کو کہا کہ اگر ان کی بیویاں مسجد میں جانا چاہیں تو انھیں روکا نہ جائے۔"

اس طرح کی متعدد احادیث ہیں۔ میں اس وقت تفصیل میں نہیں جانا چاہتا لیکن اصل بات یہ ہے کہ اسلام خواتین کو مسجد میں آنے سے نہیں روکتا۔ شرط یہ ہے کہ مسجد میں خواتین کے لیے انتظام اور سہولت موجود ہو کیونکہ مرد اور عورت کے اختلاط کی اجازت اسلام نہیں دیتا۔

ہم جانتے ہیں کہ دیگر مذاہب کی عبادت گاہوں میں کیا ہوتا ہے۔ وہاں لوگ عبادت کے لیے کم اور نظر بازی کے لیے زیادہ آتے ہیں۔ لہٰذا اس کی اجازت تو اسلام نہیں دیتا۔ البتہ اگر مسجد میں خواتین کے لیے الگ انتظام ہو ان کے راستے الگ ہوں۔ وضو وغیرہ کا انتظام علیحدہ ہو، خواتین کے لیے الگ جگہ بنی ہوئی ہو جو مرد نمازیوں کے سامنے نہ ہو، تو وہ مسجد میں نماز پڑھ سکتی ہے۔

نماز میں ہم کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے ہوتے ہیں۔ اور ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ خواتین کا جسمانی درجہ حرارت مردوں سے ایک زیادہ ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر خواتین مردوں کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر کھڑی ہوں گی تو لازماً ان کی توجہ بھٹکے گی۔ اسی لیے خواتین پیچھے کھڑی ہوتی ہیں۔

اگر آپ سعودی عرب جائیں تو آپ دیکھیں گے کہ خواتین مساجد میں آتی ہیں اگر آپ امریکہ جائیں یا لندن جائیں تو وہاں بھی خواتین مسجد میں نماز پڑھتی ہیں۔ صرف ہندوستان اور کچھ اور ممالک ایسے ہیں جہاں خواتین مسجد میں نماز نہیں پڑھ سکتیں۔

یہاں تک کہ حرم شریف اور مسجد نبوی میں بھی خواتین کو آنے کی اجازت ہے۔ ہندوستان میں بھی اب بعض مساجد میں خواتین کے لیے اہتمام ہوتا ہے اور میں امید رکھتا ہوں کہ مزید مساجد میں بھی یہ اہتمام ہوگا۔

سوال: کیا دوسری شادی کرنے کے لیے پہلی بیوی سے اجازت لینا ضروری ہے؟

جواب: سوال پوچھا گیا ہے کہ مرد کو دوسری شادی کرنے کے لیے پہلی بیوی سے اجازت لینا ضرری ہے۔ اسلام میں مرد کو دوسری شادی کے لیے پہلی بیوی سے اجازت لینے کا پابند نہیں کیا گیا۔

قرآن میں ایک سے زیادہ شادیوں کے لیے ایک ہی شرط عاید کی گئی ہے اور وہ ہے عدل۔ اگر وہ اپنی بیویوں میں عدل کرسکتا ہے تو وہ ایک سے زیادہ شادیاں کرسکتا ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ اگر پہلی بیوی کی اجازت سے دوسری شادی کی جائے تو شوہر اور بیویوں کے تعلقات زیادہ خوشگوار رہیں گے۔

صرف ایک ہی صورت ہے جس میں مرد کو دوسری شادی کے لیے پہلی بیوی سے اجازت لینی پڑتی ہے اور وہ یہ کہ اگر بیوی نے شادی کے وقت نکاح کے وقت یہ شرط رکھی ہو کہ شوہر دوسری شادی نہیں کرے گا تو پھر دوسری شادی کے لیے پہلی بیوی کی اجازت لازمی ہو جاتی ہے۔ بصورتِ دیگر کسی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔

سوال: میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ فلموں، گانوں، ناولوں، رسالوں اور مخلوط تعلیم نے ہمارے دور کو جنسی انارکی کا دور بنا کر رکھ دیا ہے۔ کیا اس صورتِ حال میں یہ مناسب ہوگا کہ لڑکیوں کو اپنی مرضی سے شادی کرنے کی اجازت دے دی جائے؟

جواب: بھائی نے سوال پوچھا ہے کہ اس جدید دور میں جب کہ جنسی فلموں وغیرہ کی اس قدر بہتات ہے، کیا یہ مناسب ہوگا کہ بیٹیوں کو اپنی مرضی سے شادی کرنے کی اجازت دی جائے۔

جیسا کہ میں نے پہلے کہا، والدین اس سلسلے میں مشورہ دے سکتے ہیں رہنمائی کرسکتے ہیں لیکن زبردستی نہیں کرسکتے۔ والدین یقیناً اپنی بیٹیوں کو اس سلسلے میں اچھا مشورہ دے سکتے

ہیں لیکن اس بات کی بھی تو کوئی ضمانت نہیں کہ والدین ہمیشہ درست ہوں گے۔

بہرحال اسلامی حکم یہی ہے کہ والدین شادی کے سلسلے میں بیٹی کی رہنمائی کر سکتے ہیں۔اس پر زبردستی نہیں کر سکتے کیونکہ بالآخر بیٹی نے ہی شوہر کے ساتھ زندگی گزارنی ہے اس کے والدین نے نہیں۔

سوال: میں یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ اسلامی قانون کے مطابق بچے کا ولی یا سرپرست صرف باپ ہی کیوں ہوسکتا ہے؟

جواب: بہن نے سوال پوچھا ہے کہ مسلم پرسنل لا کے مطابق صرف باپ ہی اولاد کا سرپرست بن سکتا ہے۔ایسا کیوں ہے؟

میری بہن، ایسا نہیں ہے۔اسلامی شریعت کے مطابق جب تک بچہ چھوٹا ہوتا ہے یعنی تقریباً ۷ سال کی عمر تک اس کی سرپرست ماں ہوتی ہے۔ کیونکہ ابتدائی عمر میں باپ سے زیادہ ذمہ داری ماں کی ہوتی ہے۔

اس کے بعد یہ ذمہ داری باپ کی طرف منتقل ہوجاتی ہے۔اور بالآخر جب بچہ بالغ ہوجاتا ہے تو یہ کلی طور پر اس کی اپنی مرضی ہوتی ہے کہ وہ ماں کے ساتھ رہنا چاہتا ہے یا باپ کے ساتھ۔

امید ہے آپ کو اپنے سوال کا جواب مل چکا ہوگا۔

ہماری دیگر کتابیں

فتاویٰ	ڈاکٹر یوسف القرضاوی
اسلام دہشت گردی اور عالمی بھائی چارہ	ڈاکٹر ذاکر نائیک
قرآن اور سائنس	ڈاکٹر ذاکر نائیک
مذاہب عالم میں تصور خدا اور اسلام کے بارے میں غیر مسلموں کے ۲۰ سوال	ڈاکٹر ذاکر نائیک
وحی حدیث	ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی
عبدالمطلب ہاشمی حضور ﷺ کے دادا	ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی
تدوین سیر و مغازی	مولانا قاضی اطہر مبارکپوریؒ
مقصد زندگی	الفریڈ ایڈلر۔ مترجم: سید محمد حسین جعفری
علامہ شبلی نعمانیؒ کی قرآن فہمی	ڈاکٹر محمد سعود عالم قاسمی
ہندو علماء و مفکرین کی قرآنی خدمات	اورنگ زیب اعظمی
عالم اسلام کی اخلاقی صورت حال	اسرار عالم
مولانا شبلی نعمانیؒ بحیثیت سیرت نگار	ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی

کتاب سرائے
پبلشرز، ڈسٹری بیوٹرز، مشیران کتب خانہ جات
الحمد مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور۔ پاکستان
فون: 7320318 فیکس: 7239884
ای میل: hikmat100@hotmail.com